سلسلہ مطبوعات رامپور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز — ۲

اردو کے اہم ادبی رسالے اور اخبار

عابد رضا بیدار

رام پور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز

۱۹۶۹ء

فہرست
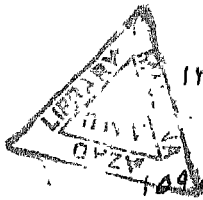
یونین پرنٹنگ پریس دہلی

برگزیدہ قلم (عبدالماجد دریابادی) کی نذر

پیش گفتار

اُردو ادب کے خاصے وقیع اور قابلِ لحاظ سرمایہ کا ایک بڑا حصہ ابھی تک ان بھولے بسرے مجلّوں میں دفن ہے جن کے فائل بعض بڑی لائبریریوں کے سوا کہیں نام کو بھی موجود نہیں ہیں۔

کیفیت اور مقدار کے اعتبار سے یہ سرمایہ اُردو کے موجودہ کتابی سرمایہ سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے، اگر یہ سامنے آتا ہے یا اس کے بارے میں معلومات ملتی ہیں تو یکایک ہمارا ذخیرہ دوگنا ہو جاتا ہے۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں، زیادہ صحیح معنی میں ۱۸۵۷ء کے بعد ہی سے ایسے مجلّوں کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے اور سرسیّد کے گزٹ (اور پھر تہذیب الاخلاق) کو ہم اس سلسلۃ الذہب کی پہلی کڑی قرار دے سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ جب سے جاری ہوا، تا ایندم اس کا ایک مکمل انڈکس تیار کیا جائے۔ ہم نے یہاں اس کے اولین چار سال اور پھر اگلی دہائی کے ایک برس کے پرچوں کا جائزہ لیا ہے، اُمید ہے یہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا اور اہلِ نظر پر اس مجلّہ کی اہمیت مزید روشن ہو جائیگی۔

علی گڑھ کے گزٹ کے بعد ہفتہ وار پرچوں میں جو اہمیت "اودھ پنچ" کو حاصل رہی ہے خصوصاً ۱۹ ویں صدی میں، وہ ہماری ادبی اور تہذیبی تاریخ کا ایک اہم باب بن چکا ہے، یہاں اس باب کی تخلیقِ نو کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۹ ویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے معیاری ماہناموں کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے جن میں سے بعض کو موجودہ جلد میں شامل کیا گیا ہے اس سے اگلی جلد میں زمانہ، مخزن، الندوہ، صلائے عام، ہمایوں، نگار، نظام المشائخ، اردوئے معلیٰ، ادیب، الناظر، العصر، تمدن، مرقع، اور بہارستان وغیرہ باقیماندہ اہم ادبی پرچوں کا جائزہ اور آخری جلد میں صرف معارف، برہان، اور الفرقان کا اشاریہ آئے گا۔

عابد رضا بیدار

ناظم

اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ

"THE ALIGARH INSTITUTE GAZETTE"

اس اخبار کا پہلا نمبر ۳ مارچ سنہ ۱۸۶۶ء کو نکلا جو بمقام علی گڑھ سید احمد پرائیوٹ پریس[1] میں چھپ کر باہتمام منشی محمد یار خاں شائع ہوا۔ سر ورق پر یہ انگریزی عبارت لکھی رہتی تھی۔

"[illegible] is a prominent duty of the Government and a natural right of the subjects."

اور اس کے نیچے اس کا اردو ترجمہ: "آزادی چھاپہ کی ہے ایک بڑا فرض گورنمنٹ کا اور ایک اصلی اور جبلی حق رعیت کا" ۱۸۶۷ء میں یہ عبارت اس طرح ہو گئی:

"To permit the liberty of the press is the part of wise Government: To preserve it is the part of free people."

"جائز رکھنا چھاپہ کی آزادی کا ہے کام ایک دانا گورنمنٹ کا اور برقرار رکھنا اس آزادی کا ایک آزاد رعیت کا۔" یہ اخبار انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں چھپتا تھا، ہفتہ وار تھا۔ اور سالانہ قیمت ۱۵ روپے تھی۔

---

[1] ۱۸۶۷ء میں پریس کا نام انسٹیٹیوٹ پریس ہو گیا۔

اس میں ہفتہ بھر کی اہم قومی اور معلوماتی خبریں، معاوماتی اعداد و شمار اور متنوع عنوانات پر دلچسپ مضامین شائع ہوتے تھے۔ بعض اخباروں سے اس قسم کی متنوع معلومات ملجاتی ہیں جن کا ادب اور تاریخ کی کتابوں میں کوئی نشان نہیں ملتا۔ یہ اخبار اس اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے، مثال کے طور پر اس کے ابتدائی فائلوں سے (۶۹، ۶۸، ۶۷، ۱۸۶۶ء) مندرجہ ذیل ہندستانی اخبارات کا جوالہ ذکر مل جاتا ہے۔

Friday Review, Delhi Gazette, Pioneer, Mofussilite, Hindoo Patriot, Indian public opinion, Englishman, Native Opinion, Friend of India, Hindoo Prakash, Bengalee, Bengal Hurkaru, Bombay Gazette, Reflector, Lahore Chronicle, Times of India.

دہلی گزٹ (اردو) نجم الاخبار، روہیلکھنڈ اخبار، نور الابصار، اکمل الاخبار، نیر اکبر، سہیل پنجاب، رہنمائے پنجاب، اردو گائڈ، اخبار عالم، کارنامۂ ہند، مجمع البحرین، پنجابی اخبار لاہور، لارنس گزٹ (میرٹھ) کوہ نور (لاہور)

اس وقت میرے پیش نظر ابتدائی چار سال کے فائل ہیں جن میں روس، وسط ایشیا، بخارا، کابل، برہما، بھوٹان، مصر، چین، ٹرکی، انگلستان، اور فرانس کے تازہ ترین حادثات و واقعات اور جنگ و صلح کی مفصل اطلاعات محفوظ ہیں، اس عہد کے بین الملکی تعلقات پر ریسرچ کرنے والوں کیلئے یہ اطلاعات بے حد مفید ہو سکتی ہیں، اور معاصر ماخذ کے اعتبار سے بڑی قیمتی ہیں۔ ان چار جلدوں کی دوسری قابل ذکر چیزیں جو کسی نہ کسی اعتبار

سے ادبی تاریخی اہمیت رکھتی ہیں، اور جن میں اکثر دوبارہ شائع کیے جانے کے لائق ہیں، مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۸۶۶ء - پہلی جلد

"ہندستانیوں کے عیب"، منقول از انگلش مین (۲۶ اپریل، دوسرا شمارہ)
برٹش انڈین ایسوسی ایشن کے قیام پر سید احمد خان کا ایک طویل لکچر (۱۱ مئی)
ایسوسی ایشن کے قیام کے بعد ممبری کے لئے ایک سرکلر (۲۵ مئی) انگلشمین کے اس آرٹیکل کا جواب جس میں ہندستانیوں کو بے عزت ٹھہرایا گیا ہے۔ (یکم جون)

۲۹ جون - انگلش مین کی اطلاع ہے کہ کلکتہ جو تقریباً ۸ میل کے رقبہ میں ہے ۵۸ ہزار ۸ سو ۹۲ مکانات اور ۳ لاکھ چون ہزار ۸ سو چھہتر باشندوں پر مشتمل ہے۔ جن میں ایک لاکھ ۲ ہزار ۸ سو ۹۹ مسلمان اور ۲ لاکھ اکتیس ہزار ۲ سو چھ ہندو ہیں، باقی انگریز، یونانی، چینی وغیرہ ہیں، فورٹ ولیم میں ۳ ہزار ۸ سو ۸۷ باشندے ہیں۔

۳۱ جولائی - "لکچر اس بات پر کہ ہندستانی سردار اور ذی مرتبہ اور باوجاہت لوگ اپنے رعب و داب کو اپنے ہموطنوں کی بھلائی پر کس طرح استعمال کر سکتے ہیں" (انگریزی سید محمد محمود نے اور اردو میں سید احمد خان نے سوسائٹی کی ایک میٹنگ میں پڑھا)

۱۰ اگست - "کشمیر کا بیان" از لاہور کرانیکل

۲۹ اگست ۱۸۶۱ء کا لکھا ہوا سرسید کا تاریخ فیروز شاہی کا دیباچہ، اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں

۳۱ اگست - جزیرہ انڈمان (منقول از کوہ نور، لاہور)

"جزیرہ جاوا کا بیان" از فرینڈ آف انڈیا (۷ ستمبر) "مسلمان اور انگریز ساتھ کھا سکتے ہیں؟" از سید احمد (۱۹ ستمبر، ۵ اکتوبر) آرٹیکل

اور حالات ہندوستان کے" (۱۲ر اکتوبر)

۲۳ر نومبر۔ مخزن العلوم، نامی ایک دوماہیہ کا اشتہار جو انسائکلوپیڈیا کے انداز پر شائع ہونے والا تھا۔ منقول از اخبار خیر خواہ (پنجاب)

۷ر دسمبر۔ فرائڈے ریویو کے حوالے "کراچی" کے ایک اخبار کا حوالہ ہے (کراچی سے نکلنے والے کسی اخبار کا حوالہ اس کے علاوہ میری نظر سے کہیں نہیں گذرا)۔

۱۹۶۷ء۔ دوسری جلد

۸ر جنوری کے دہلی گزٹ سے ماخوذ، ۱۱ر جنوری کے اخبار میں وفات "شاہزادہ فیروز شاہ" کے عنوان سے مندرجہ ذیل خبر درج ہے۔

"گورنمنٹ ہند نے معتبر سنا ہے کہ شاہزادہ فیروز شاہ نے جو دہلی کے مشہور باغیوں میں تھا اور خوبی تقدیر سے ۱۸۵۷ء میں سزائے اعمال سے بچ رہا تھا، ۲۳ر اگست ۱۸۶۷ء کو مقام بخارا میں بعارضۂ بخار انتقال کیا اور حضرت امام کے باغ میں دفن ہوا۔ شاہزادہ مذکور نے عرب اور وسط ایشیا میں بہت کچھ سر مارا اور وہاں کے لوگوں کو سرکار انگریزی کی مخالفت پر ہر چند ابھارا۔ مگر سرکار کا اقبال ایسا یاور تھا کہ اس کی کوشش کچھ مؤثر نہ ہوئی۔ آخر کو مجبور ہو کر امیر بخارا کے دربار میں جا پڑا۔ لیکن قسمت کا اچھا تھا، چار روپیہ بطور پنشن پاتا رہا۔ خدا کرے کہ نانا راؤ کے مرنے کی خبر بھی سننے میں آجاوے تاکہ باغیوں کی طرف سے پھر کوئی اندیشہ و خرخشہ نہ رہے"۔

۱۸ر جنوری کے شمارہ میں لفٹنٹ گورنر پنجاب کی تقریر کوہ نور، لاہور، سے منقول ہے، یہ تقریر دربار عام دہلی، ۱۷ دسمبر ۶۶ء کو رئیسان دہلی کے سامنے کی گئی۔ تقریر کا ایک اقتباس اہم ہے جس میں غالب کا حوالہ ہے:

"خصوصاً اس بات کے معلوم کرنے سے جس کی اطلاع مجھے ابھی ہوئی میں بڑا خوش ہوں کہ انگریزی زبان کی تعلیم کے ساتھ دیسی زبان کی بھی تعلیم ہو رہی ہے کیونکہ

دیسی زبان یعنی اردو کی ... بولی نہایت شستہ اور شیریں اور مستند ہے جو ہر جگہ ہندوستان میں تحریر و تقریر میں آتی ہے اور جس کی خوبی کی شہادت تمہارے نامی گرامی شاعر مرزا نوشہ کی شیریں تصنیفات سے (جن کو ابھی آپ کے سامنے خلعت عطا ہوا ہے) بخوبی ہے۔"

۲۹ مارچ کے پرچہ میں عدالت دیوانی کی بابت ایک سرکاری اعلان درج ہے جس میں ... الصدور اور منصفوں کے نام اور تنخواہیں دی ہوئی ہیں۔ صدر الصدور سب ... ہے۔ کل چار صدر الصدور تھے جن میں ایک سر سید (علی گڑھ) بھی تھے جن کی ... ۸۰۰ روپے درج تھی۔

۳۱ مئی کے پرچہ میں کشمیر پر اور مجوزہ لاہور یونیورسٹی پر دو معلوماتی طویل مضامین ہیں۔ ۱۹ جولائی کو مدرسۂ عربی دیوبند اور اس کے کورس پر اس قسم کا تفصیلی مضمون نکلا ہے۔ ۱۹ اگست کی اطلاع ہے کہ ۲ اگست کو سر سید جج عدالت خفیہ اور صدر الصدور بنارس ہو کر علی گڑھ سے روانہ ہوئے ان کی جگہ راجہ جیکشن داس ڈپٹی کلکٹر علی گڑھ سائنٹفک سوسائٹی کے سکریٹری ہوئے۔

۱۵ نومبر کے پرچہ میں دادا بھائی نوروجی کا ایک طویل لکچر درج ہے۔ "گفتگو ان امور کی بابت جو ہندوستان کی بہ نسبت انگلستان پر واجب ہیں" اس جلد کے دوسرے قابل ذکر مضامین یہ ہیں:

"آرٹیکل اوپر تعلیم و تربیت اہل ہند کے" (یکم مارچ ۶۷ء) "رشک و حسد کی حقیقت اور اس کا علاج" (۱۰ اپریل)، "سوائے ذات خدا کے ہر چیز کو فنا ہے" (۱۹ اپریل) "وہ کون سی تدبیریں ہیں جن سے اہل ہند کی تربیت کو ترقی ہو اور وہ بھی مثل اور ملک کے رہنے والوں کے تمغۂ فخر اور امتیاز حاصل کریں (۲۷ ستمبر)

۱۸۶۸ء تیسری جلد:

۳ر جنوری، دہلی گزٹ کا ایک مضمون، ہندوستانی مطبوں (پریس) کی بابت سرکاری رپورٹ پر تبصرہ[۱]

۱۰ر جنوری، "ہندوستان کے واسطے ایک ایسی گورنمنٹ کی تجویز جس میں لوگوں کی طرف سے منتخب شخص مقرر ہوکر سلطنت کے کام انجام دیویں اور جواب دہ رہیں" (تہذیب نفس، امید کی خوشی، رلائے، قسم کا مضمون، غالباً سرسید ہی کے قلم سے)

۱۷ر جنوری، "ورنیکلر یونیورسٹی" کے عنوان سے ایک نوٹ جس میں لکھا ہے کہ حکومت ہماری اس تجویز پر غور کر رہی ہے کہ اردو ذریعہ تعلیم بناکر ایک یونیورسٹی شمالی ہندوستان میں قائم کی جائے۔

۲۴ر جنوری، بابو دینا ناتھ گنگولی کا ایک ایڈرس ورنیکلر یونیورسٹی کے سلسلہ میں جس میں انھوں نے اردو کے بجائے سنسکرت کی تجویز رکھی ہے اس ایڈرس پر گزٹ کا تبصرہ اسی میں شامل ہے، اس کا ایک ضروری اقتباس:

"بابو دینا ناتھ گنگولی خیال کرتے ہیں کہ علی گڑھ کی برٹش انڈین ایسوسی ایشن نے اس امر کی تائید میں نہایت غلطی کی ہے کہ ان اضلاع میں دیسی زبانوں میں سے تعلیم کے واسطے اردو زبان مقدم قرار دی جاوے چنانچہ انھوں نے کہا ہے کہ جس غرض سے ہندو لوگوں نے مسلمانوں کے عہد میں ان کی زبان کو سیکھا تھا اب وہ غرض باقی نہیں رہی اور زبان اردو کے رواج سے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کا پڑھنا بالکل موقوف ہو جائے گا اور سنسکرت چونکہ ہندوستان کی اصلی زبان ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کو اپنے باہم

---

[۱] ملاحظہ ہو تحریک اپریل ۶۵۸ جس میں یہ رپورٹ اپنی اہمیت کے سبب تمام وکمال نقل کردی گئی ہے۔

مافی الضمیر کے اظہار کے واسطے ذریعہ منتخب کیا جاوے تاکہ رفتہ رفتہ سب کی ایک زبان ہوجاوے .... افسوس ہے ان کی یہ رائے صرف شاعرانہ خیال ہے جو ممکن الوقوع نہیں ہے اس واسطے کہ اب سنسکرت مردہ زبان ہو گئی ہے اور ایک مدت مدید سے اس کا استعمال اٹھ گیا ہے کہ آج دو چار ہی زبان داں اس زمانے کی تاریخ کے لکھنے پر جرأت کرسکیں گے جس زمانہ میں وہ عموماً شائع تھی اور ایک پژمردہ زبان کو روزمرہ کے کاموں کے لئے شگفتہ کرنا کسی زمانہ میں نہیں ہوا.... اور بابو دینا ناتھ گنگولی نے ہمارے مذہبی جوش اور ولولے کو برانگیختہ کیا ہے اور اس کے ذریعہ سے سنسکرت کے رواج دینے میں ہم سے استعانت چاہی ہے اس کی نسبت ہم افسوس سے یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے اصول و قواعد کے لحاظ سے مذہبی طور پر کچھ گفتگو نہیں کرسکتے خاص ہمارا مذہب اور ہمارا عقیدہ کیسا ہی کیوں نہ ہو مگر بابت تعلیم اور معاملات ملکی میں صرف مصلحت کو اپنا ہادی جانتے ہیں اور اسی کو انصاف سمجھتے ہیں اور علاوہ اس کے ایک عام رشتے کو تسلیم کرتے ہیں جس کے سبب تمام انسانوں میں ربط و اتحاد قائم رہے۔"

"شاید .... سنسکرت زبان سے ہندی مراد ہے لیکن یہ مراد ان کی تقریر سے صاف ظاہر نہیں ہے اور اگر فرض کیا جاوے کہ ان کی مراد ظاہر بھی ہے تو بھی ہندوستان کے ممالک شمالی میں دیسی زبان ہونے کے لئے اردو کی ترجیح کے بہت سے کافی ثبوت موجود ہیں اول یہ کہ واقع میں دیسی زبان وہی ہے دوسرے یہ کہ وہ ہندوستان کی ایسی زبان ہے کہ وہی ہندوستان میں آج کل کی تعلیم و تربیت کی ضروریات کو کافی ہے۔ مل صاحب کی کتاب انتظام مدن، اور وٹیلی صاحب کے رسالہ منطق اور بکل صاحب کی تاریخ شائستگی یا سیلن صاحب کے تراشہائے مخروطی کا ہندی زبان میں ترجمہ کرنا بھی غیر ممکن ہوگا کہ سنسکرت کے خالص لفظوں سے تائید لی جاوے حالانکہ اردو زبان میں عربی وغیرہ کے ایسے الفاظ کا ذخیرہ ہوتا ہے جن کے ذریعہ سے علم و حکمت کے نازک نازک

تفاوت نہایت اختصار سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اردو پر عوام الناس کا یہ اعتراض ہے کہ وہ ایک مخلوط زبان ہے لیکن واضح ہو کہ قدیم زمانہ کی تمام کامل زبانیں مرکب تھیں اور زبان حال کی نہایت لطیف اور کامل زبانیں بھی مرکب ہیں اور ہمیشہ سے ایسی ہی چلی آئی ہیں۔ اور زبانوں کے علم کے لحاظ سے ہم کو ظن غالب ہے کہ اگر ہم علم تشریح کے ذریعہ سے مرکب زبانوں کے اجزاء میں امتیاز نہ کر سکیں تو ہماری جہالت پر محمول ہوگا۔ عموماً یہ غلطی شائع رہی ہے کہ مسلمانوں بادشاہوں کی فتح مندی سے اردو کا رواج لوگوں میں جبراً ہوگیا اس واسطے کہ اردو کا نام خود دلالت کرتا ہے کہ یہ زبان ایسے قواعد سے پیدا ہوئی ہے جو قدیمی اور ابدی ہیں کچھ جبراً نہیں پیدا ہوئی کیوں کہ جب ہندوستانی اور مغربی قوموں سے اس میں میل جول کا اتفاق ہوا تو اردو زبان کا پیدا ہونا لابدی ہوگیا۔"

"مغربی قوموں سے ہماری مراد عربیوں اور یہودیوں اور شامیوں اور سامریوں وغیرہ سے ہے (انگریزی حصے میں جو اصل الفاظ ہیں ان کا ترجمہ سامی اور آریائی نسلیں کافی تھا) اور اگر بالفرض اس کے رواج میں جور دستم برتا گیا اور مانا کہ وہ کامیاب بھی ہوا، حالانکہ ایسی کامیابی کی نظیر کا کسی تاریخ میں ملنا ناممکن ہے، تو ضرور تھا کہ اضلاع شمال و مغرب میں دیسی زبان عربی یا فارسی ہوتی اردو نہ ہوتی اور اردو کے شیوع کی نسبت جور و جبر کے بیان سے ہم کو ایک بات یاد آتی ہے جو ہم نے کسی اخبار میں لکھی دیکھی تھی کہ یہ زبان اس سازش کی بدولت پیدا ہوئی ہے جو گل کرائسٹ متوفی (مرحوم یا آنجہانی کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جس کے لئے انگریزی حصہ میں LATE ہے) اور کسی مسلمان مولوی صاحب کے باہم اس غرض سے قائم ہوئی تھی کہ کلکتہ میں جو انگریز ہندی اردو زبان کا امتحان سول سروس کے لئے دیتے ہیں اس میں وہ بدقت تمام کامیاب ہوں۔۔۔ القصہ اردو ایسی زبان ہے جس کی جانب ہندو اس وجہ سے مائل ہوتے

ہیں کہ اس کی اصل ترکیب ہندی ہے اور مسلمان اس وجہ سے خواہش کرتے ہیں کہ اس کے اکثر لغات عربی ہیں اور تمام قوموں کے عالم اس کو اس وجہ سے بہتر سمجھتے ہیں کہ اس میں بہت کچھ وسعت و استعداد ہے اور غیر ملکوں کے لوگ جو ہندوستان میں بطور سیاحی یا بغرض اقامت آتے ہیں ان کے حق میں یہ زبان اس لئے عمدہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے تمام ملک ہند میں اپنے اغراض ظاہر کر سکتے ہیں۔"

۲۷ر جنوری "کفران نعمت بڑا کام ہے برے کام کا برا انجام ہے" (غالباً سرسید کے قلم سے ESSAY)

۳۱ر جنوری "عورتوں کی تعلیم" (جس میں عورتوں کو گھر سے باہر تعلیم دینے کی مخالفت کی گئی ہے)

۱۴ر فروری "سفر کے فائدے"

۲۰ر مارچ، دہلی گزٹ سے "جشن پر ایک تفصیلی معلوماتی مضمون، ترجمہ کیا گیا ہے۔ مفصلات سے "راجپوتانہ کی کیفیت" کے عنوان سے ایک بسیط مضمون کا ترجمہ۔

۲۷ر مارچ، افغانستان میں سرکار انگریزی کی تدبیر مملکت الور کی ریاست کا حال۔ مفید خلائق اسکول علی گڈھ کی بابت ایک نوٹ (مفید خلائق اسکول نومبر ۶۷ء میں قائم ہوا خاص مضامین انگریزی اور فارسی تھے اور ۵۰ طلبا اور ۴ استاد تھے)۔

۳ر اپریل "میلا دار السرور رام پور مقام بے نظیر" کے عنوان سے بے نظیر کے میلہ کا ایک اشتہار درج ہے جس میں لکھا ہے کہ "بائیسویں ذی حجہ سے ستائیسویں تک انعقاد صحبت نشاط ہوتا ہے۔"

۲۴ر اپریل۔ کلکتہ یونیورسٹی سے متعلقہ اسکول اور کالج (غالباً شمالی ہندوستان

کے کل مدرسے اور کالج) ایک مضمون کے ذیل میں اس طرح دئے گئے ہیں، یہ اپریل ۱۸۶۸ء میں شمالی ہندوستان کے انگریزی تعلیمی اداروں کی مکمل فہرست ہے۔

آگرہ کالیجیٹ اسکول، اجمیر اسکول، علی گڑھ اسکول، بریلی کالیجیٹ اسکول، بشاپ اسکول شملہ، مشن اسکول الہ آباد، مشن اسکول جبل پور، مشن اسکول امرتسر، کیننگ کالج لکھنؤ، کانپور اسکول، دہلی کالیجیٹ اسکول، گجرات اسکول، ہیوم ہائی اسکول اٹاوہ، جے پور، جہلم، جے نرائن کالج بنارس، جلندر مشن اسکول، لاہور ہندو اسکول، لاہور مشن اسکول راولپنڈی، ریواڑی ضلع اسکول، سینٹ جانس کالج آگرہ، سینٹ اسٹفنسن کالج دہلی، انبالہ مشن اسکول، وکٹوریہ کالج آگرہ، بریلی کالج، دہلی کالج، لاہور کالج، (ان کے علاوہ ایک اور نام کوئنز کالج بنارس کا ملتا ہے)۔

"دیسی زبان کی یونیورسٹی قائم ہونے کی نسبت دہلی سوسائٹی میں مباحثہ ہوا"

یکم مئی، "ایک کتاب "حیات افغانی، تاریخ ممالک افغانستان، تالیف محمد حیات خاں" کا دو صفحہ کا اشتہار۔

۸ر مئی "مصر میں فرانس والوں کا زیادہ رعب ہے یا انگریزوں کا" پائنیر سے ترجمہ (نتیجہ فرانس والوں کے حق میں نکلا ہے)۔

۲۹ر مئی "پارلیمنٹ میں ہندوستانی اور انگریزی حکومت کی نسبت مباحثہ" مفصل ۶، ۷ کالمی رپورٹ۔

۵ر جون ہندوؤں کے سیاح ہونے کا ثبوت۔

مصر کے بارے میں اعداد و شمار:- (دہلی گزٹ سے ماخوذ) سال گذشتہ کی خانہ شماری کے موافق، مصر کی آبادی، ۹،۱۶۱۹،۹۴

ان میں: قبطی	۵ لاکھ
بدو عرب	۴ لاکھ

اسکندریہ کی آبادی ۲ لاکھ (جن میں نصف یورپین ہیں)
قاہرہ کی آبادی ۴ لاکھ سے زیادہ
قاہرہ میں ۱۴۹ مدرسے، ۴۰۰ سے زیادہ مسجدیں ہیں، ۱۱۶۶ قہوہ خانے ہیں، ۶۵ حام ہیں اور ۱۱ بازار ہیں۔

۱۲ر جون "ہندوؤں کی سیاحی کے ثبوت کا تتمہ"،
۱۹ر جون ہندوؤں کی سیاحی کے ثبوت کا تتمہ (۲)
۲۶ر جون "دختر کشی" تاریخی مضمون
تتمہ ہندوؤں کی سیاحی کے ثبوت کا (۳)
۱۰ر جولائی۔ لاعلداری ہندوستان پر ایک مباحثہ (انگریزی حکومت کے حق میں) مصنفہ محمد عثمان خاں مدار المہام ریاست رام پور۔
رسالہ علاج ہیضہ۔ بموجب اصول معالجہ ہومیا پیتھی، مؤلفہ سید احمد خاں۔
۱۷ر جولائی، ہندوؤں کی سیاحی کے ثبوت کا تتمہ (۴)
عورتوں کے سرکاری اسکول، ایک گوشوارہ
بنگال: ۳، بمبئی ۱۶، مدراس ۹، ممالک مغربی و مشرقی، ۴۸۱، پنجاب ۲۹۶، اودھ ۶۵، حصہ درمیانی ۱۳۱ اور طالب علموں کی تعداد اسی ترتیب سے ۵۵۱۰، ۴۰۳۰، ۳۱۰۹، ۱۲۰۰۲، ۲۰۵۲۴، ۴۰۸، ۳۶۶۲،

۲۴ر جولائی ہندوؤں کی سیاحی کے ثبوت کا تتمہ (۵)
۳۱ر جولائی ہندوؤں کی سیاحی کے ثبوت کا تتمہ (۶)
۱۱ر ستمبر "گارسن ڈتاسی" کی کتاب کا خلاصہ جو اس نے ہندوستانی زبانوں پر لکھی ہے۔
سررشتہ تعلیم سرکاری کی تعلیم کو علی العموم سب لوگ پسند کیوں نہیں کرتے"

۲۵ ستمبر کیفیت ملک فارس (منقول از پنجابی اخبار - ۱۳ نومبر "قواعد سول سروس ۱۸۶۹ء - ۲۰ نومبر ریاست جے پور کی کیفیت"
۴ دسمبر "اپنے ملک کی گورنمنٹ میں شامل ہونے کے لئے ہندوستان کے باشندوں کا استحقاق"- ۱۸ دسمبر پنجاب کی مجوزہ یونیورسٹی - ۲۵ دسمبر "فرانس کے باشندے"

۱۸۶۹ء - چوتھی جلد:

۲۲ جنوری - ہندوستان کی عدالتوں میں کون سی زبان ہونی چاہیئے اس بحث پر بنارس گزٹ سے ایک مضمون کی نقل۔

۵ فروری، "انگلستان کی سیر" کے عنوان سے سید احمد خاں کے سفر انگلستان کے ارادہ کا ذکر، سفر کا مقصد، ان کی درخواست کے خلاصہ سے ظاہر کیا گیا ہے" یہ بھی اطلاع ہے کہ سید محمود کو وظیفہ دے کر انگلستان بھیج رہی ہے، اور سید محمد محمود کے ساتھ سید احمد خاں کے چھوٹے لڑکے سید محمد حامد بھی جائیں گے۔

۵ مارچ "بحث اس باب میں کہ رواج تحریر اردو کا سررشتہ جات سرکاری میں بحال رہنا چاہیئے یا نہیں۔
مضمون تفضل حسین، (منقول از نور الابصار)"
اس موضوع پر ایک اور نوٹ، رتن پرکاش، سے منقول

۱۲ مارچ "ہندوستان میں مختلف مذاہب اور قوم کے آدمی، سوائے ماتحت ریاستوں کے، تخمیناً حسب تفصیل ہیں:

ایشیا کے رہنے والے :	۱۱ لاکھ
بودھ مذہب والے :	۳۰ لاکھ
قدیمی باشندے :	ایک کروڑ ۲۰ لاکھ

مسلمان : ڈھائی کروڑ
ہندو : ۱۱ کروڑ

زبان کے مباحثہ کے سلسلہ میں، نورالابصار، سے ایک بحث نقل

اسی سلسلہ میں تفضل حسین کے مضمون کے جواب میں نندکشور کا مضمون

۲۳ر مارچ، رسالہ تاربرقی (منجملہ مطبوعات سوسائٹی) چھپنے کی اطلاع ہے، دوسری کتابیں جو زیر طبع ہیں یہ ہیں :- ٹاڈہنٹر کے اقلیدس کا ترجمہ از منشی ذکاءاللہ

جغرافیہ حصہ اول : پادری ولکنسن نے اردو میں لکھا ہل کا رسالہ سیاست مدن، ترجمہ پنڈت دھرم نرائن،

"ہر کس بخیال خویش خبطے دارد۔ وراقم نیز" اس عنوان سے زبان کے مسئلہ میں اودھ اخبار سے افتتاحیہ نقل کیا گیا ہے۔

۲ر اپریل، میلۂ بے نظیر رام پور کا اشتہار

۱۴ر اپریل، زبان کے مسئلہ پر مولوی سید وارث علی کا مضمون (منقول از سینٹیفک سوسائٹی بہار) - "ہندی زبان کے رواج ہیں، واسطے کاروبار عدالت سرکاری کے" (منقول از آبحیات)

۲۳ر اپریل، زبان مروجہ پنجاب کا حال (منقول از رسالہ جلسہ تہنیت، لکھنؤ

۳۰ر اپریل۔ مسافران لندن، اس عنوان سے سرسید کا سفرنامہ انگلستان اس پرچہ سے بالاقساط شائع ہونا شروع ہوا - اس حصہ میں ہندوستان ہی کا تذکرہ درج ہے۔

جواب مضمون دربارۂ اردو ناگری مندرجہ نورالابصار نمبر ۵ مطبوعہ یکم اپریل ۱۸۶۹ء از سید مظہر حسین۔ طالب علم (منقول از نجم الاخبار)

۷ر مئی مسافران لندن، ۲

۱۴ رمئی "جمیع اہل ہند کی کاربراری کے واسطے ہندی زبان اچھا وسیلہ ہے"
کسی گمنام کا مضمون۔
مسافران لندن ۳،
ہندی زبان کے رواج میں،
۲۵ رمئی، تجربات برقی پرڈاکٹر جیمس سیئر کا اردو میں ایک لکچر،
اردو ناگری کی بحث (منقول از نجم الاخبار)
۲۸ رمئی، وارث علی صاحب کی ایک تقریر، زبان اردو کے بارے میں (منقول از سین ٹیفک سوسائٹی بہار)
زبان کے مسئلہ پر "مباحثہ"
۴ رجون، مسافران لندن کے سلسلے میں ایک اطلاع ہے کہ ۴۲ دن میں بمبئی سے لندن پہنچ گئے، ۴ رمئی ۱۸۶۹ء کو یہ بمبئی سے ۱۰ راپریل کو روانہ ہوئے تھے، ۲۹ کو مارسیلیس پہنچے پہلی کو پیرس روانہ ہوئے اور تین دن قیام کے بعد لندن۔ "غور کرنا چاہئے کہ ہندوستان سے لندن اتنا بھی دور نہیں رہا جیسے کہ تیس برس پہلے دہلی سے الہ آباد تھا بلکہ دہلی سے الہ آباد آنے میں تکلیف زیادہ تھی۔"
مباحثہ ناگری و فارسی مندرجہ نورالابصار
۱۱ رجون، مسافران لندن ۴
اردو ناگری، ایک مضمون از سید مظہر حسن
۱۸ رجون، ڈاک خانہ پر ایک مضمون، عہد بہ عہد ترقی کے لحاظ سے۔
مسافران لندن ۵،
سول سروس کے امتحان لندن میں کامیاب ہونے والوں میں چار ہندوستانی:
ان کے نام۔

۲۵ر جون، مسافران لندن نمبر ۶

۳ر جولائی، ہندوستانی سول سروس [ماخوذ از اُوورلینڈ میل) بسلسلہ ناانصافی از باشندگان ہند]

راجہ شیوراج سنگھ، رئیس کاشی پور، کا مضمون: "عدالتوں میں بجائے فارسی حروف کے ناگری اور انگریزی حرف جاری ہونے چاہئیں،"

مسافران لندن۔ بحث اردو ناگری کی، منقول از نجم الاخبار

۹ر جولائی، انگریزی زبان کی تعلیم، مسافران لندن نمبر ۱۰

۱۶ر جولائی، قواعد واسطے عام سول سروس کے، بابت سنہ ۱۸۷۰ء

مسافران لندن،

۶ر اگست، علم تاریخ پر ایک مضمون

۲۷ر اگست، سید احمد خاں کے نام گارسن ڈٹاسی کا ایک خط:۔

"صاحب عالی قدر۔ جب سے آپ بخیر و عافیت لندن میں وارد ہوئے ہیں میں چاہتا تھا کہ آپ کو اردو زبان میں ایک خط لکھوں اس لئے کہ وہ ایسی زبان ہے جس کے آپ نہایت شائق ہیں مگر چونکہ مجھ کو اس عمدہ زبان میں تحریر کا ربط نہیں ہے صرف پڑھنا اور ترجمہ کرنا آتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ میں ہندوستان میں کبھی نہیں رہا اس وجہ سے میری ہمت نے گواہی نہ دی۔ مجھ کو علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے ذریعہ سے ابھی یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ اسٹار آف انڈیا کے کمپینین مقرر ہوئے جس کے آپ حقیقت میں مستحق تھے۔ پس میں اس موقع پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ صرف آپ ہی کی مہربانی کا نتیجہ ہے کہ اخبار مذکور الصدر میرے پاس آتا ہے اور جب کبھی اس میں ہندوؤں کی مخالفت پر جو ہندی کے جاری ہونے کے نہایت خواہاں ہیں زبان اردو کی کوئی تائید ہوتی ہے تو میں اس کے دیکھنے سے نہایت محظوظ ہوتا ہوں، کتاب تورِیت

مقدس کی تفسیر جو آپ نے میرے پاس بھیجی ہے اس کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں نے
اس کتاب کی نسبت اپنے ایڈریس میں بہت کچھ ذکر کیا ہے۔ جو کتاب آپ نے دہلی کی
عورتوں کی نسبت تالیف کی تھی میں نے اس کا بھی ترجمہ زبان فرانس میں کر لیا ہے اور
میں نے سرکاری اخبار میں آپ کے اور آپ کے سفر کی نسبت ایک اطلاع چھپنے کے
واسطے بھیجی تھی چنانچہ وہ اخبار آج جاری ہوا ہے لیکن نہایت افسوس ہے کہ اکثر جگہ
کمپوزیٹروں کی غلطی سے اطلاع مذکور میں بہت سی چھاپہ کی غلطیاں ہو گئی ہیں۔ چنانچہ
ہندوستانی کی جگہ ہندوستانیو، اور علی گڈھ کی جگہ اینٹ گڈھ درج کیا ہے مجھ کو اس
سے نہایت رنج ہوا اور میں عرض کرتا ہوں کہ اخبار مذکور اتفاقاً آپ کی نظر سے گزرے
تو آپ میرا قصور معاف فرمائیں۔

میرا دوست سید عبداللہ جو ہمیشہ مجھ کو انگریزی یا اردو میں چٹھیاں لکھا کرتا ہے
بیان کرتا ہے کہ یورپ میں تشریف لیجانے سے پیشتر آپ کا ارادہ پیرس میں تشریف لانے
کا ہے۔ میں آپ کی ملاقات سے نہایت مسرور ہوں گا اور جو کچھ میں اب لکھتا ہوں اس
کو زبانی بیان کروں گا۔ آپ کا خادم، گارسن ڈٹاسی۔

از مقام پیرس، مکان نمبر ۳۴ بازار ریوسینٹ اینڈرسے، مورخہ ۱۷ر جولائی ۱۸۶۹ء"
۷ ۳ر اگست، مسافران لندن نمبر ۱۱ - آدم سے پہلے دنیا میں انسان ہونے کا ثبوت

(منقول از پنجابی اخبار، لاہور)

۳ر ستمبر ایک خبر " معلوم ہوا ہے کہ محمد نذیر احمد کو بعوض تصنیف کرنے ایک اردو
قصہ کے جس کا نام مراۃ العروس ہے مبلغ ایک ہزار روپیہ بطور انعام کے سرکار سے مرحمت
ہوئے ہیں اور سرکاری کالجوں میں پڑھانے کے واسطے اس کی دو ہزار جلدوں کی خریداری
کا حکم ہوا ہے۔ اس کی مفصل کیفیت ضمیمہ منقولات گورنمنٹ گزٹ کے مضمون سے
معلوم ہوگی "

ممالک مغربی و شمالی میں تعلیم کا کیا حال ہے۔

سید احمد خاں کے نام اڈورڈ ہنری پالمر (مشہور مستشرق) کے دو خط ایک عربی میں دوسرا فارسی میں۔

"یادداشت ان کتابوں کی جو محمد نذیر احمد، جالون کے عہدہ دار بندوبست نے پیش کیں" یہ بہت دلچسپ اور کارآمد یادداشت ہے جس میں مولوی نذیر احمد، اور ان کی تصنیفات کے بارے میں مفصل کیفیت اور تفصیلی اطلاع ہے۔ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

مرأۃ العروس، رسم الخط کتاب زبان اردو، نصاب خسرو، منتخب الحکایات، چند پند، صرف صغیر (زیادہ تر قلمی ہیں جنھیں چھاپنے کی سفارش ہے)

۱۰ر ستمبر، اب تک ہندوستانی لوگ عورتوں کی تعلیم میں جوش ظاہر نہیں کرتے،

۲۴ر ستمبر، "شائستگی کیا چیز ہے"

یکم اکتوبر، "ہندوستانیوں کو سب لوگ فریبی کیوں کہتے ہیں"

۱۵ر اکتوبر، اخبار کے خریدار ۵۲ (در ۱۸۶۶ء) سے ۲۹۳ ہو گئے ہیں اور ایڈیٹر محمد یار خاں کے بجائے مولوی محمد اسمٰعیل مقرر ہو گئے ہیں۔

۲۲ر اکتوبر، "عورتوں کو کس طریقے سے تعلیم دینی چاہیئے"

۲۹ر اکتوبر، ہندوؤں کو بھی انگلستان کے سفر کی جانب توجہ چاہیئے ہندوستانیوں کو باہم محبت و ہمدردی پیدا کرنا چاہیئے"

۵ر نومبر، رشوت ستانی "پولیس کی بد انتظامی"

۱۲ر نومبر، "شرفا کو بھی عورتوں کی تعلیم کی جانب توجہ چاہیئے"

۱۹ر نومبر، سفر لندن کے بارے میں ایک طویل خط [داز سید احمد خاں) ۱۵ر اکتوبر ۱۸۶۹ء، از لندن] "یونیورسٹی کے سند یافتہ شخصوں کی آئندہ کیا حالت ہوگی" وہ جو آج

ہے یہی اس میں بتایا گیا ہے۔"

۲۶ر نومبر، سید احمد خاں کا ایک خط، عورتوں کی تعلیم پر، پچھلے شمارہ کے ایک آرٹیکل کے بارے میں۔

۳ر دسمبر، "ہندی زبان کیا چیز ہے"

۱۰ر دسمبر، امرائے ہندوستان کو اپنی اولاد کی تعلیم کی جانب متوجہ ہونا چاہیے۔
نورالانصار نے سید احمد خاں کے بارے میں ایک سخت ناقدانہ نوٹ لکھا ہے وہ مکمل نقل کیا گیا ہے۔

۱۷ر دسمبر، "اپنے ہمجنسوں کے ساتھ ہمدردی کرنا انسانیت ہے۔"

۲۴ر دسمبر، اخبار شعلۂ طور میں سید احمد خاں اور سوسائٹی کے بارے میں ایک سخت تنقیدی خط نکلا اس کو مکمل نقل کیا گیا ہے اور اس کا جواب بھی دیا گیا ہے، تنقید سید امداد العلی کی ہے۔
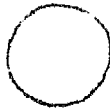
۱۸۷۳ء میں گزٹ کی آٹھویں جلد شروع ہوئی ۱۸۷۰ء، ۱۸۷۱ء اور ۱۸۷۲ء کی فائل مجھے ابھی تک نہیں مل سکی ہے۔ لیکن ان کی خاطر گزٹ کے جو فائل فی الحال میسر آسکے ہیں ان کی پیشکش میں تاخیر میں مناسب نہیں سمجھتا۔ ہر سال کے مندرجات میں خاصی معقول تعداد میں اتنی اہم چیزیں مل جاتی ہیں جن کے اشاریہ کی پیشکش میں عجلت ضروری بھی ہے مفید ہے۔ ۱۸۷۳ء کے گزٹ میں جو اہم مندرجات ہیں انھیں میں نے تاریخ وار درج کردیا ہے، آپ انھیں نیچے کی سطروں میں ملاحظہ کرلیں۔ ویسے اس سال کی اہم ترین تجویز اور اس سلسلے کی تحریروں کا حوالہ اپنی جگہ پر تاریخ وار دینے کے بجائے یہ بہتر خیال کرتا ہوں کہ آپ سے تمہیدی گفتگو کرتے ہوئے یہیں اس کا تذکرہ کردوں، یہ تجویز ایک "انگریزی اخبار" کی اشاعت کے بارے میں تھی جس کا کام صرف اتنا ہو کہ وہ "ہندستانی اخباروں" کی رایوں کا ترجمہ چھاپہ کرے، ۲۸ فروری کے گزٹ کے اداریہ میں اس عنوان سے یہ تجویز پہلی بار پیش کی گئی، "تجویز" ایسے حالات میں جب انگریزوں کو یہ سمجھانا قطعاً ضروری تھا کہ ہندوستانیوں کی ان کے انتظام و انصرام کے بارے میں کیا رائیں ہیں؟ کیسی ضرورت اور کتنی مفید تھی اور کتنے دور رس نتائج

کی حامل تھی، اس پر طویل گفتگو فضول ہے۔ اس گزٹ نے اس تجویز پر جو تبصرہ کیا ۲۱ مارچ کی اشاعت میں اس کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور ۲ مئی کے پرچے میں، پائونیر وغیرہ اخبارات نے جو کچھ لکھا ہے، اس پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس کا عنوان ہے "ہندستان کی رائیوں کا کیا حال ہے"۔ اودھ اخبار نے اپنے ایک اداریہ میں اس تجویز پر اظہار خیال کیا، اینگلو انڈین اور اردو اخباروں میں اس تجویز کا عام چرچا قابل لحاظ ہے۔ ویسے گزٹ کی موجودگی میں جو انگریزی اردو دونوں زبانوں میں چھپتا تھا، خود گزٹ والوں کے لئے تو یہ ممکن نہ تھا کہ اس قسم کا ایک اور اخبار نکال ڈالتے، کسی اور کو اتنی توفیق نہ ہوئی تجویز میں کتنی دور اندیشی اور دانشمندی، کتنی سیاسی سوجھ بوجھ اور بصیرت پنہاں ہے؛ آج نوّے برس کے بعد بھی ایک ایسے انگریزی اخبار کی ضرورت ہے جو صرف اردو پریس کی رائیوں کا خلاصہ پیش کر دیا کرے، اور ان اہم خبروں کا ترجمہ کر دیا کرے جسے انگریزی پریس نظر انداز کر جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آج ایسا اخبار تو کجا ہمارے پاس گزٹ جیسا کوئی اخبار تک موجود نہیں، ایسا لگتا ہے جیسے سائنسی اکتشافات کے سوا ہر فکری میدان میں ہم اپنے پیش رو دیو زادوں کے مقابلے میں بونے بنتے جا رہے ہوں۔

ایسی پیاری تجویز پیش کرنے والوں کے سامنے میں ادب سے اپنا سر جھکاتا ہوں۔ اور ان کی خدمت میں عقیدت کا نذرانہ پیش کرتا ہوں۔ اتقوا بفراسۃ المومن!

اب آپ اشاریہ ملاحظہ فرمائیں:

"ہم کو اس خبر کے سننے سے افسوس ہے کہ آئندہ ہندو رفارمر بمبئی، موقوف ہو جاوے گا" (۳ جنوری)

۱۱ اضلاع متوسط کی عدالتوں میں ناگری حروف کا جاری ہونا،
۱۴ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ء سے (۳ جنوری)

دو سید حسین صاحب، پروفیسر عربی، کیننگ کالج، لکھنؤ نے دیسی زبان کے واسطے علمی اصطلاحات کی نسبت ایک رسالہ چھاپا ہے مصنف کتاب نے جس مشکل کا ذکر کیا ہے یعنی یہ کہ انگریزی زبان کے علمی الفاظ کے واسطے ہم معنی اصطلاحات دیسی زبان میں موجود نہیں ہیں، وہ حقیقت میں ایک بڑی مشکل ہے، لیکن اگر سید صاحب کی رائے پر عمل کیا جاوے تو وہ کچھ ایسی مشکل نہیں ہے جس کا حل ہونا ناممکن ہو۔ یہ مشکل صرف اس صورت میں خاطر خواہ رفع ہو سکتی ہے کہ یکساں الفاظ استعمال کیے جاویں چنانچہ اسی غرض سے یہ رسالہ تیار کیا گیا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب اس رسالے کو ملاحظہ فرماویں گے" (۱۰ جنوری)

صائب کا مقولہ اور آگرہ اخبار

صائب جو کہ ایک عالی دماغ اور نازک خیال شاعر تھا، جب اس نے یہ شعر کہا جس کا ایک مصرع یہ ہے :-

جامہ را قاختیٔ ساختۂ یعنی چہ

تو اس کے اس بے نظیر شعر کا نہایت شہرہ ہوا اور جو اس مذاق کے لوگ تھے اور اس نازک دماغی کے قدر شناس تھے۔ انھوں نے صائب کی نہایت مدح کی۔ رفتہ رفتہ یہ شعر ایک ایسے مدرسے میں بھی پہنچا جس میں ایک شاخ عربی کی بھی تھی، وہاں کے طلباء نے جب اس شعر کو سنا تو کوئی اس پہ ہنسا، کسی نے اس پر کوئی اعتراض کیا، کسی نے

اس کو مہمل بتایا، غرض کہ آخر کار یہ شعر مدرسے کے مدرس اول کے پاس گیا۔ انھوں نے کمال ذہانت اور نہایت جودت طبیعت سے ہنس کر یہ فرمایا کہ "صائب خطا کرد؛ چرا کہ خطاب را بصیغہ غائب تعبیر نمود۔ در شعر او لفظ یعنی کہ بیانے تحتانی است بتائے تحتانی می باید کہ مقام خطاب است" اس اصلاح کی خبر صائب کو بھی پہونچی اور تمام مراتب، جو اس شعر فہمی میں عربی کی شاخ کے طلباء سے حل ہوئے تھے، سب صائب کے روبرو بیان کئے گئے۔

صائب نے جب معلوم کیا کہ میرے بے نظیر شعر کی مٹی خراب ہوئی تو وہ بیچارہ رو دیا اور متاسفانہ اس نے کہا کہ "افسوس شعر مرا بہ مدرسہ کسے برد" یہی کیفیت ہم کو اس وقت آگرہ اخبار مطبوعہ ۲۰ دسمبر میں ان تحریروں کے دیکھنے سے آرہی ہے جو مدرسۃ العلوم کی بابت ہیں۔ جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مدرستہ العلوم کی روئدادیں اور جناب مولوی سید احمد خاں صاحب کی سنجیدہ رائیں آگرہ اخبار کے دفتر میں کسی نے پہنچا دیں تو بھی ہم کو کچھ کم افسردگی نہیں ہوئی جس شخص کی یہ تحریریں ہیں، وہ اپنے آپ کو بے تکلف غریبوں کا ہمدرد بتاتا ہے اور اپنے تمام مضمون میں لکھتا ہے کہ غریبوں کو اس مدرسے سے کیا فائدہ ہوگا اور اس کو اس بات سے بڑی مایوسی ہے کہ مسلمانوں کی فقہ، حدیث، تفسیر سے بھی غریب بیچارے محروم ہو جاوینگے صرف امراء ہی بہرہ یاب ہوں گے۔ مگر ہم اس بات سے نہایت خوش ہیں کہ ظاہرا اس میں اصل مدرسے کی تدبیر کی نسبت کوئی طعنہ نہیں ہے۔۔۔۔"

(۱۰ جنوری)

"بالفعل گورنمنٹ کی یہ رائے ہوئی ہے کہ ہر ضلع کے صدر محکمہ میں ایک ایک کتب خانہ قانون کی کتابوں کا قائم کیا جائے۔۔۔۔" (۱۰ جنوری)

"نقل" مضمون "تہذیب اخبار"۔ منقول از پٹیالہ اخبار (۱۷ جنوری)

"اس بات پر اظہار مسرت کہ گزٹ میں سنہ ۱۸۷۰ء میں جن انگریزی کتابوں کی فہرست چھپی تھی، اس ذیل میں کہ علی گڈھ اور بہار سین ٹیفک سوسائٹیوں کی طرف سے اس کے اردو ترجمے ہوئے تھے' اور ہوئے، ان کی کتابوں کے بارے میں گورنر جنرل نے بنگلہ، ہندی اور اڑیا میں بھی ترجمہ کی سفارش کی ہے، گزٹ کا حوالہ دیتے ہوئے" (۱۴ فروری)

پائونیر سے منقول

یہ جو عمدہ کام سید احمد خاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی۔ نے تجویز کیا تھا وہ اب نہایت ترقی پر ہے، بنارس سے ہمارے پاس یہ خبر آئی ہے کہ جو اجلاس مجلس خزانۃ البضاعۃ کا ۱۰ فروری کو ہوا تھا اس میں منجملہ ۲۵ ممبروں کے اتفاق رائے سے یہ بات تجویز ہوئی کہ کالج مجوزہ علی گڈھ میں قائم کیا جاوے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" (۲۱ فروری)

"جو کتاب مسٹر اسٹیبلی صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی اسکول الہ آباد نے انگریزی سے اردو میں اور اردو سے انگریزی میں ترجمہ کی مہارت پیدا کرنے کے واسطے لکھی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اس قسم کی کتاب کی آج کل نہایت ضرورت تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

(۲۱ فروری")

" انگریز لوگ اس ملک کے باشندوں سے کیوں نہیں ملتے جلتے ؛ غازی پور میں ایک لیکچر" گزٹ میں ہی انگریزی اردو دونوں زبانوں میں ہے'

(۱۴ مارچ)

"طریقہ تعلیم و سلسلۂ تعلیم جس طرح پر مجوزہ مدرستہ العلوم مسلمانان

میں ہونا چاہیئے۔ مجوزہ سید محمد محمود، ممبر مجلس خزانۃ البضاعت لتاسیس مدرستہ العلوم المسلمین" (۲۱ مارچ)
"کلکتہ یونیورسٹی کے کانووکیشن کی مفصل روداد" (۲۸ مارچ)
"رفع النزاع" محمد عارف کا خط سید احمد خاں کے مضمون کے سلسلے میں (۱۱، اپریل)
"کسی قوم سے باہمی میل جول کے لئے اتحاد مذہبی کیا ضرور ہے" (۱۱، اپریل)
"دار العلوم مسلمانان، منقول از تہذیب الاخلاق" (۲۸ مارچ ۱۱ اپریل)
"دنیا میں صرف شہرت ہی نیکی کا صلہ ہے" از کاشی ناتھ (۱۸، اپریل)
"قول فیصل سید احمد خاں کے باب میں" از احمد خاں صوفی - مہتمم مطبع مفید عام آگرہ (۱۸ اپریل)
"گزرا ہوا زمانہ" (منقول از تہذیب الاخلاق) از ایم۔ایم۔ سید احمد۔ (۱۸ اپریل)
"بحث و تکرار " " " " (۱۸ اپریل)
"صاحب اودھ اخبار کے خیال پر تعجب" (۲۵ اپریل)؛ اس سلسلے میں کہ سید احمد خاں کے ساتھی ان کی جملہ رایوں سے بلا سوچے سمجھے اتفاق کرتے ہیں۔
"پائیونیر سے سید احمد خاں کے قیام بنارس کی ایک رپورٹ" منقول (۲۵ اپریل) "خیوا اور اس کے باشندوں کا بیان" (۲۵ اپریل)
"اودھ کو اضلاع شمال و مغرب کے ساتھ ملا دیا جائے، اس تجویز کی عام طور سے مخالفت کے خلاف گزٹ نے موافقت کی ہے" (۲ مئی)

" مدرستہ العلوم مسلمانان " کے سلسلے میں لاہور سے ایک خط (۲ مئی)
" اودھ اخبار کی اس تجویز پر کہ عورتوں کے لئے مخصوص اخبار نکالا جائے۔ تبصرہ "۔ (۹ مئی)

۹ مئی : " دیسی زبانوں کی قابل پسند کتابوں کے مصنفوں کو انعام:
بلحاظ اشتہار گورنمنٹ .... مورخہ ۲ اگست ۱۸۶۸ء "

جناب لفٹنٹ گورنر بہادر اعلان فرماتے ہیں کہ ۲۹ کتابوں کے لئے انعام مرحمت کئے گئے جن کی کل تعداد ۵۵۰۰ روپے ہیں، کتابیں جو انعام کے لئے منتخب کی گئیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اخلاق اور مضامین مختلف : ۸، تعلیم (عام) ۲، تعلیم نسواں ۵، ریاضی ۲، ہیئت ۲، طبیعیات ۲، ناٹک ۲، تاریخ اور جغرافیہ ۴، علم حیوانات ۱، حفظ صحت اور صفائی ۱ کل ۲۹،

اردو ۱۔ رسالہ علم ہیئت (مولوی صمصام الحق) ۲۔ داستان دانش آموز: حوادث سماوی و ارضی کی ابتدائی کتاب (عبید اللہ العبیدی، ہوگلی کالج) ۳۔ ریاضی کے ۳۴ رسالے، سلسلہ وار (ڈکا، اللہ میور کالج۔ الہ آباد) ۴۔ صبح صادق: اخلاق کا اردو رسالہ (کالکا پرشاد، کانپور) ۵۔ تلخیص الفوائد: رسالہ زبان فارسی کے بیان میں ۶۔ محبوب القلوب: تعلیم اور کسرت وغیرہ کے فوائد کے لئے باب ہیں (بشیشر پرشاد، گیانپور) ۷۔ تنبیہ التعلیم (محمد مبارک اللہ، متھرا) ۸۔ تشریح الفرس، (اجودھیا پرشاد، بریلی کالج) ۹۔ تہذیب المبتدی: قصے کہانیاں، نصیحت آمیز، ترجمہ انگریزی (کشن لعل) ۱۰۔ کحل الجواہر: حفظ صحت اور صفائی وغیرہ

کے بیان میں (مصلح الدین آگرہ) ۱۱. رسالہ فیض عام؛ علم ہیئت کا ایک رسالہ، عام فہم (سید تہور علی الہ آباد) ۱۲. تعلیم نسواں؛ ہنود عورتوں کی تعلیم کے بارے میں، (چتر بھوج سہائے آگرہ) ۱۳. مخزن العلوم؛ رسالہ در باب خواص ذاتیہ اجسام و حرکت و جر ثقیل وغیرہ (للتا پرشاد، کانپور) ۱۴. تعلیم النساء (دیبی پرشاد، اجمیر) ۱۵. گلدستۂ آداب؛ ادب کی حکایتیں (دیبی پرشاد اجمیر) ۱۶. آئینہ خرد؛ عورتوں کی تعلیم اور ان کے کاموں کے بیان میں (عبدالرحیم آگرہ) ۱۷. مرأت الایشیاء؛ جغرافیہ (کلیان رائے، میرٹھ) ۱۸. وقائع درانیاں؛ ترجمہ ایک فارسی کتاب کا (سید احمد، نارمل اسکول دہلی) ۱۹. ماثر النساء؛ ترجمہ کسی کتاب کا (تفضل حسین آگرہ) ۲۰. اردو ترجمہ بٹلر صاحب کے رسالہ اثبات بہ ولالت مطابقی، حصہ اول (ولیمس سینٹ جان آگرہ) ۲۱. رونق ہند؛ فوائد حکومت انگریزی (حسین علی مرزا پوری) ۲۲. منہاج السعادت و تعلیم نسواں (وزیر علی بریلی)۔

ہندی: سچی پیترا؛ ترجمہ ایک رسالہ اردو سچی بہادری کا۔ (پنڈت رام نرائن بریلی) ۲. استری بچار؛ اخلاق کی باتیں (ہری ہر ہیرا لعل۔ میرٹھ) ۳. بھوگول، ضلع اٹاوہ (دیبی دین، تحصیل لکھن) ۴. بھوگول چندر اودے؛ جغرافیہ عالم (دولت رام، کاسگنج) ۵. گنت چندر اودے؛ علم حساب بیج (چمن لعل، کاسگنج) ۶. اتر رام چرتر؛ ایک سنسکرت ناٹک کا ترجمہ (پنڈت دیو دت، بریلی کالج) ۷. وکرم اروسی؛ ترجمہ سنسکرت ناٹک کا (رام پرشاد تیواری، الہ آباد)۔

انعام کی کل رقم: اردو: ۴۹۵۰ روپے، ہندی: ۶۰۰ روپے۔
اس کے بعد آئندہ سال کے لئے انعامات کا اشتہار ہے جس میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

"اس غرض سے جو کتابیں ترتیب دی جائیں وہ تصنیف ہوں یا تالیف، حتیٰ کہ اگر کسی دوسری زبان کی کتاب کا ترجمہ ہے وہ سب منظور ہوں گی۔ مگر مذہبی کتابیں جن میں تہذیب اخلاق کے خلاف کوئی بات لکھی ہو قبول نہ ہوں گی۔ سوائے اس کے اور کوئی قید مطالب یا طرز کی نسبت نہیں ہے۔ مضمون کتاب کا خواہ علم تواریخ سے متعلق ہو، خواہ مشہور لوگوں کے تذکرے سے یا سیر و سفر کے حالات سے، یا کسی علم و فن یا فلسفے سے؛ اور ان میں واقعی سرگزشت ہوں یا خیالی اور فرضی، اور نظم میں لکھی جائیں یا نثر میں صرف غرض یہ ہے کہ کتاب سے کوئی عمدہ غرض حاصل ہو، چاہے تعلیم کی نسبت ہو یا تفریح یا تہذیب عقل و ادراک کی نسبت ہیں؛ اور اس ملک کی مروج زبانوں میں اردو یا ہندی میں لکھی جائے اور مطالب اور عبارت دونوں میں خوبی ہو۔ . . . . . ہندوستان کی مستورات کے پڑھنے کے لائق جو کتابیں ہوں گی وہ خاص کر پسند اور قبول کی جائیں گی"۔ (۹ رمئی)

آرٹیکل:

سوختیم و سوزش ما بر کسی ظاہر نہ شد
چوں چراغان شب مہتاب بیجا سوختیم

"اس شعر کی دردناک صدا ہم کو آج کل مولوی سید احمد خاں صاحب کی زبان حال سے آتی ہے اور ہم تو بشر ہیں پتھر بھی ایسی درد آمیز آواز کو

سن کر کبھی پگھل جاتا ہے ..... (۱۶ مئی) اودھ اخبار مورخہ ۶ مئی میں
مولوی نور الحق کا ایک خط مدرسۃ العلوم کے قیام کی مخالفت میں چھپا ہے اسی
پر یہ آرٹیکل لکھا گیا ہے۔
تعزیت نامہ محمد عثمان خاں، مدار المہام ریاست رامپور جو ۱۰ مئی
سنہ ۱۸۷۳ء مطابق ربیع الاول ۱۲۹۰ھ "راہی ملک بقا ہوئے" (۱۶ مئی)
"درخواست بخدمت مہاراجگان و راجگان و نوابان و سرداران
وایڈیٹران و اہل علم و خیر خواہان ہندوستان" اس عنوان سے کیشب چندر متر
نے تفصیل سے ملکی ترقی کے لئے ایک پلان پیش کیا ہے جس میں فنون مفیدہ
کی تعلیم (پروفیشنل ایجوکیشن)، ہندوستانی طلباء کو انگلستان بھیجنا اور دیسی
زبانوں میں انگریزی سے فنون مفیدہ پر کتابوں کے ترجمے پہ زور دیا ہے۔
(۱۶ مئی)
"ہندوستان کی پرانی رسمیں" از پادری رجب علی او۔ الیس۔ ایچ (۱۶ مئی)

فی السماء نجوم لا عداد لہا
ولیس یکسف الا الشمس والقمر
وکم علی الارض من خضر ویابسۃ
ولیس یرجم الا ما لہ الشجر

یہ دو شعر عربی کے بلا شبہ مولوی سید احمد خان صاحب کے حسب حال
ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ آسمان میں تارے بہت سے ہیں مگر گہن لگتا ہے تو
صرف چاند اور سورج ہی کو لگتا ہے، اور گو دنیا کے پردے پر خشک گھاس پھوس
بہت ہے۔ مگر پتھر بار دو درخت ہی کے مارتے ہیں ..... اداریہ (۲۳ مئی)
"مولوی سمیع اللہ خان، علی گڈھ کے صدر الصدور مقرر" (۲۳ مئی)

"ریویو کیا چیز ہے"، از کاشی ناتھ (۲۳ مئی)

"حسن بن عبداللہ (حیدر آباد) کا ایک خط مجوزہ مدرستہ العلوم مسلمانان کے بارے میں" (۲۳ مئی)

مسٹر روناج سابق ایڈیٹر فرینڈ آف انڈیا کے ایک مضمون مطبوعہ میکیلن (لندن) کا ترجمہ بہ عنوان "ہندوستان میں بالفعل انگریزوں کی کیا حالت اور غالباً آئندہ کیا حالت ہوگی"۔ (۲۳ مئی)

"ہندوستانی اخباروں کا ترجمہ اور مہتمم پائونیر اخبار کی رائے" (۲۳ مئی)

اخبار عالم سے "گورنمنٹ رپورٹر" کے عنوان سے ایک مضمون منقول، جس میں گورنمنٹ کے اس رویہ پر نکتہ چینی کی ہے کہ:

"گورنمنٹ ہند کی طرف سے الہ آباد میں ایک صاحب عہدہ دار جن کا لقب گورنمنٹ رپورٹر ورنیکلر اخبارات ہے، مقرر ہیں۔ ان کے ذمے یہ کام ہے کہ جو مضمون نسبت امور انتظامی ملک ہند کے لائق اطلاع گورنمنٹ کے ہو اس کا ترجمہ اخبارات ممالک مغربی اور پنجاب اور اودھ اور سنٹرل پراونسیں سے کرتے ہیں۔ اور وہ ترجمہ بطور رپورٹ انگریزی اخباروں کے چھاپے کے دفتروں میں تو جاتا ہے مگر کسی ہندوستانی چھاپہ خانے کے اخبار کو نہیں ملتی ہے"۔ (۲۳ مئی)

"ہندوستان کے اخبار" کے عنوان سے اداریہ (۳۰ مئی)

"مکتوب سرسید بنام راجہ جے کشن داس مورخہ ۹ جون ۱۸۷۳ء":

اخبار کی پالیسی اور اردو اخبار سے گزٹ کے جھگڑے کے بارے میں (۳۰ مئی)

"نیشنل انڈین ایسوسی ایشن، لندن"۔ (۱۳ جون)

"ہندوستانیوں کے نکاح وغیرہ کے معاملات کے تصفیہ کے واسطے

قاضیوں کا تقرر (۱۳ جون)

"جلسہ عظیم آباد، پٹنہ، واسطے ترقی چندہ مدرسۃ العلوم مسلمانان، اسپیچ، شارۂ ہند مولوی سید احمد خان" (منقول از تہذیب الاخلاق) (۲۱ جون)

"بمبئی میں ایک عالی ہمت ہندو نے دیاسلائی بنانے کا کارخانہ جاری کیا ہے" (۲۷ جون)

"روزولیشن گورنمنٹ ہند بابت تعلیم ہندوستان، جو ہندوستان کی رعایا خصوصاً مسلمانوں کے حق میں نہایت ہی اطمینان کا باعث ہے ....." (۲۷ جون)

"مکتوب سرسید بنام راجہ رام جے کشن داس" ؛ سائنٹفک سوسائٹی کے بارے میں۔ (۲۷ جون)

"مدرسۃ العلوم مسلمانان اور شارہ ہند مولوی سید احمد خان بہادر"، اس عنوان سے نجف علی، گجرات، پنجاب کی ایک تحریر۔ (۲۷ جون)

"روس کی نسبت انگریزی اخبار نویسوں کے خیالات (۴ جولائی)

"مدرسۃ العلوم" (۴ جولائی)

"عوام کالانعام کے خیالات اور روس و انگلستان کے حالات" (۴ جون)

"سود کی ڈگریوں کی بدولت غربا کی تباہی" اداریہ (۱۸ جولائی)

"ممالک مغربی و شمالی کی دیسی زبان" پایونیر سے منقول (۱۸ جولائی)

"مدرسۃ العلوم مسلمانان"، سرکلر مجلس خزانۃ البضاعۃ مدرسۃ العلوم (۱۸ جولائی)

"سید نصرت علی کی انگریزی اردو سکھانے والی کتاب مفید عام پر تبصرہ" (۲۵ جولائی)

"بنگالہ میں مذہب عیسوی کے بارے میں ایک خط از بنگالی (یکم اگست)

"تجویز قیام صدر انجمن مسلمانان پنجاب ماتحت خزانۃ البضاعۃ تاسیس مدرسۃ العلوم" نقل خط سید احمد خان بنام محمد برکت علی خان آف پنجاب، و نقل خط سید احمد خان بنام محمد حیات خان بہادر نجم الہند، و نقل خط جناب محمد حیات خان، بنام برکت علی خان: منقول از اخبار انجمن پنجاب. (یکم اگست)

"مہاراجہ پٹیالہ کی فیاضی کا شکریہ اور مسلمانوں کی "غیرت" پر افسوس": مہاراجہ نے مدرسۃ العلوم کے لئے تین سو روپے دیئے ہیں (۸، اگست)

"اخبار نویسوں کی آزادی کیا چیز ہے"۔ (۸ اگست)

"امبہر کی خوشی": از تہذیب الاخلاق (۸ اگست)

"عرضی باشندگان ممالک مغربی و شمالی بدرخواست اجرائے حروف ناگری بجائے حروف فارسی" (۱۵ اگست)

"تبصرہ 'کتاب الراحۃ، الموسوم بالواسطۃ الی معرفت مالطا و کشف المخبا عن فنون اوربا، مؤلفہٗ ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۷ء، تونس (عربی) (۲۲ اگست)

"اشتہار کتاب حمایت الاسلام، مصنفہٗ گاڈ فری ہگنس، جسے سید احمد خان نے اردو میں ترجمہ کرا کے مطبع صدیقی بریلی سے چھپوایا ہے، سید احمد خان سے مل سکتی ہے"۔ (۲۲ اگست)

"اخبار کی بے وقعتی کے اسباب"، اداریہ (۲۹، اگست)

"گورنمنٹ کا برتاؤ ہندوستانیوں کے ساتھ" از "کسے، ابن ۹۱" (۲۹ اگست)

"رامپور کے نواب کلب علی خان کی تصانیف قندیل حرم اللہ شکوہ خسروی پر نوٹ" (۵ ستمبر)

"حکیم احسن اللہ خان رئیس دہلی کے انتقال کی اطلاع"، اکمل الاخبار

سے منقول ۔ (۵ ستمبر)

"علی گڈھ میں مسلمانوں کی ترقی کے آثار" (۵ ستمبر)

"الہ آباد میں بھیڑیوں میں پلنے والا لڑکا" (۱۹ ستمبر)

"لفٹننٹ گورنر بنگال ۔ اور صوبہ بہار کے مسلمان" ۔ (۱۹ ستمبر)

"کشمیری زبان اردو میں سیکھنے کے لئے پنڈت بشن نرائن کی کتاب گلزار کشمیر" اس پر تبصرہ ۔ (۱۹ ستمبر)

"بابو پیارے لال، خیرخواہ شمالی ہندوستان" از کاشی ناتھ (۱۹ ستمبر)

"پایونیر میں ایک صاحب نے اطلاع دی ہے کہ انھیں بچھو نے کاٹا تو اسی جگہ انہوں نے ایک مکھی مار کے لگا دی' فوراً آرام ہوگیا" (۲۶ ستمبر)

"کتاب اخلاق محمدی مصنفہ مرزا محمد علی" ۔ (۳، اکتوبر)

"تعلیم کی طرف مسلمانوں کے خیالات" از تصدق حسین (۳، اکتوبر)

"اجلاس سب کمیٹی مدرسۃ اسلامیہ علی گڈھ ۔ سکریٹری سمیع اللہ خاں" ۔ (۱۰، اکتوبر)

"کیا مذہب کی بات بھی کسی کے خیال سے کچھ یوں ہی ہو سکتی ہے؟ اداریہ ۔ (۳۱، اکتوبر)

"سلطنت انگلیشیہ": تنقید از عطا محمد، امرتسر (۳۱، اکتوبر)

"مسودہ قواعد: سکونت و تربیت طالب علماں مدرستہ العلوم میں" از سید احمد خاں ۔ (۳۱، اکتوبر)

"انگریزوں کا، ان کو سلام نہ کرنے پر' ناخوش ہونا ۔ اس پر سخت تنقید" (۷ نومبر) ___

"تعلیم کی کمیٹیاں اور سررشتۂ تعلیم" از مشتاق حسین (۷ نومبر)

"مکتوب نصیر الدین سکریٹری انجمن مناظرۃ الحکمت مرزا پور"، محسن الملک نے مرزا پور میں ایک لکچر دیا، اس کی روداد (۷ نومبر)

"امداد الاخلاق برخلاف تہذیب الاخلاق رسالہ از حاجی امداد العلی، ڈپٹی کلکٹر، کانپور، پر تبصرہ" (۷ نومبر)

"فتاوٰی برخلاف تہذیب الاخلاق۔ اس مجموعہ فتاوی پر تبصرہ": منقول از کوہ نور (۱۴ نومبر)

"مسٹر میل ول صاحب کا قبولِ اسلام؛ ہندستان میں حکومت کے ایک افسر اعلیٰ کے قبول اسلام پر تبصرہ، اور اظہار مسرت" منقول از کوہ نور (۲۱ نومبر)

"ریویو کتاب قبالۂ حامد مصنفہ سید غلام حیدر خاں" (۲۸ نومبر)

اسی کتاب پر رجب علی کا مضمون (۲۸ نومبر)

"مدرسۃ العلوم کے بارے میں سید احمد خاں، مولانا عبد الحق خط و کتابت": منقول از اخبار انجمن پنجاب (۲۸ نومبر)

"ریویو گلزار ہندی (اخلاق پر) مصنفہ رائے کنہیا لال، لاہور۔ ریویو رقعات نامی مصنفہ حکیم الدین لکھنؤ" (۵ دسمبر)

"مولوی مہدی علی، مرزا پور کے ڈپٹی کلکٹر" (۵ دسمبر)

"آگرہ میں گورنر جنرل کی آمد اور اس موقع پر پیش کئے گئے ایڈریس"۔ (۵ دسمبر)

"پائیونیر کی خبر کہ الہ آباد کے مسلمانوں کے جلسے میں یہ طے ہوا کہ سرکاری دفتروں اور مدرسوں میں حروف دیوناگری کے اجراء کی نسبت جو ایک عرضی فرقہ ہنود کے بہت سے معزز شخصوں کی جانب سے گورنمنٹ کی خدمت میں پیش ہونے والی ہے ان کی نسبت اعتراض کرنے کے واسطے ایک کمیٹی قائم کی جائے۔

...... مولوی سید احمد خاں بہادر سی. ایس. آئی، اس کے سکریٹری مقرر کیے

گیا ہیں ...... ، (۱۲ دسمبر)

اداریہ "ہندوستانیوں کی بدقسمتی": سول سروس میں ہندوستانیوں کو

لیے جانے کے خلاف انگریزی اخبار نے نوٹ لکھا ہے، اس پر سخت تنقید (۱۲ دسمبر)

"ہندوستانیوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق ایک عمدہ کوشش" پائیونیر نے

میور کالج کے طلبا، کی بعض کوششوں کو سراہا ہے۔ پائیونیر سے منقول (۱۲ دسمبر)

"روئداد سب کمیٹی مرزاپور بتائید مدرسۃ المسلمین"، از محمد اکرام حسین۔

(۱۲ دسمبر)

"میور کالج الہ آباد کی بنیاد کا پتھر رکھے جانے کی تقریب": ایڈریس وغیرہ

(۱۹ دسمبر)

"جلسۂ علی گڈھ بسلسلۂ مدرسۃ العلوم" (۲۶ دسمبر)

"تقریر صدر انجمن مسلمانان پنجاب": ماتحت مجلس خزانۃ البضاعۃ

لتاسیس مدرسۃ العلوم للمسلمین (۲۶ دسمبر)

"ہندوستان کی موجودہ اور گزشتہ اور آئندہ کی حالت، اور آریہ لوگوں

کے طور و طریق اور دستوروں کا بیان"، دیانند سرستی کے لکھنؤ کے لکچر (۲۶ دسمبر)

اخیر میں، ۱۸۷۳ء کے گزٹ سے جن ہندوستانی اخباروں کی موجودگی کا

پتا چلتا ہے، ان کے نام درج کرتا ہوں:

پائیونیر، انگلش مین، انڈین آبزرور، ہندو رفارمر، ٹائمز آف انڈیا،

ایجوکیشن مرور، انڈین پبلک اوپی نین، انڈین ڈیلی نیوز، مدراس المتھیم، بمبئی گزٹ، فرینڈ آف انڈیا، بنارس گزٹ، بنگالی، امرت بازار پتریکا، نارتھ ویسٹ

پیراللہ، لکھنؤ ٹائمز، اردو گائیڈ، پنجابی اخبار، کوہ نور، اخبار نور الانوار،

اودھ اخبار، اخبار انجمن پنجاب، پنجابی، لوح محفوظ، اور اخبار عالم۔

اودھ پنچ انیسویں صدی میں

"اودھ پنچ ہندستانی ظرافت نگاری کے لئے ایک اہم ارتقائی کڑی ہونے کے علاوہ اس لحاظ سے بڑا اہم اخبار رہا ہے کہ اس نے اپنے زمانے میں بڑا متوازن ترقی پسند رول ادا کرنے کی کوشش کی ہے سیاست میں انڈین نیشنل کانگریس کی غیر مشروط حمایت، اور اصلاحات کی مانگ، ادب میں قدیم قافیہ پیمائی پر اعتراضات کی بھرمار، تہذیب میں دیوالی ہولی اور عید محرم میں یکساں دلچسپی اور صحافت میں بے لاگ تبصروں اور خوشامد سے گریز کرنے کی طرح ڈالنے میں اپنے ہم عصروں میں اودھ پنچ کا مثیل ملنا مشکل ہے۔ بعض جگہ مخالفت میں وہ اپنے حدود سے بھی گزر جاتا تھا۔ اسی لئے علی گڑھ تحریک کے بعض جاندار پہلوؤں کو بھی اس نے اپنی مخالفت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا تھا حالی پر اعتراضات اس کا ایک مظہر ہیں۔ اور جدید تعلیم کا مضحکہ اڑانا دوسرا مظہر۔"

اودھ پنچ کے ۱۸۷۵ء، ۱۸۷۸ء، ۱۸۸۵ء، ۱۸۸۶ء، ۱۸۸۷ء، ۱۸۸۸ء، ۱۸۸۹ء، ۱۸۹۱ء، ۱۸۹۲ء، ۱۸۹۳ء اور ۱۸۹۸ء کے فائل میرے پیش نظر رہے ہیں یہ فائل رام پور، انجمن ترقی اردو، آزاد لائبریری میں محفوظ ہیں۔ ان میں بعض اہم عنوانات پر یا بعض اہم شخصیتوں کی لکھی ہوئی ایسی تحریریں جو آئندہ کام کرنے والوں کے لئے

مفید ہو سکتی ہیں میں نے یکجا کر دی ہیں۔

پہلے اہم عنوانات یا اہم لکھنے والوں کی تحریریں ملاحظہ ہوں اور آخر میں متفرقات۔

علی گڑھ اور سرسید

اودھ پنچ علی گڑھ تحریک کے مخالف کیمپ کے قائدوں میں تھا۔ جب جب موقعہ ملتا تھا سنجیدہ یا مزاحیہ انداز میں علی گڑھ، سرسید، کانفرنس اور سرسید کے ساتھیوں کے کمزور پہلوؤں کی گرفت اور اعتراضات کی بوچھار کرتا رہتا تھا۔ اسی سلسلے میں کانگرس اور سرسید میں جو آویزش تھی اور خود پنچ کی کانگرس کے حق میں مستقل طرفدارانہ پالیسی کا اظہار بھی ہوتا رہتا تھا۔

۱۸۸۸ء

یکم مارچ کے پرچے میں ۲۸ فروری کو سید محمود کی شادی ہوئی اس کی خبر دے کر اس پر ایک اعتراضیہ شذرہ لکھا ہے۔ ۷ جون کی اشاعت میں ایک نیچری مضمون کا عنوان ملاحظہ ہو یہ مضمون لکھنؤ کی کسی کانفرنس سے سرسید کے کسی ساتھی کے خارج کرنے پر لکھا گیا ہے۔

نیچری محفل رنداں میں بہت آئے گئے   خوب لاچار تھے کچھ مفسدہ پھیلائے گئے
شرم کا پہلے سے بہت غم و غصہ کھائے گئے   آخر الامر وہ اس ڈھب سے نکلوائے گئے

پا بدست دگرے دست بدست دگرے

۹ اگست کے پرچے میں "اردو شاعری" کے عنوان سے جو مضمون ہے اس لحاظ سے خاصا دلچسپ ہے۔ کہ حالی کی شاعری میں جن عیوب کو تلاش کر کے ۱۸۸۸ تک ان کا مذاق اڑایا گیا تھا حالی ہی کی باتیں اس مضمون کے مصنف اصغر حسین نے بھی اپنی زبان میں لکھی ہیں۔ ذیلی عنوان بھی سن لیجئے: ہندستانی موجودہ شاعری

سے نے ہمارے اخلاق پر برا اثر ڈالا ہے۔"

۸ر ستمبر کے اودھ پنچ کا ایک نکتہ ملاحظہ ہو۔ اور یہ کل مضمون بس اتنا ہی ہے، اور اسی طرح لکھا بھی ہے:۔

"سر سید احمد خاں صاحب کی

پیٹ ریا ٹک سوسائٹی کی اصلیت مندرجہ بالا عنوان سے

ظاہر ہے۔" ۱۸۸۹ء

۷ر مارچ کے ایڈیٹوریل میں

محسن الملک اور وقار الملک پر" معاملہ معدنیات میں محسن الملک مولوی مہدی علی خاں اور رزیڈنٹ ریاست نظام ایک طرف، اور فتح نواز جنگ اور سر آسماں جاہ مدار المہام کے نفس ناطقہ یعنی مولوی مشتاق حسین صاحب انتصار جنگ اور اسی وجہ سے خود سر آسمان جاہ دوسری طرف کوشش میں ہیں کہ اپنی اپنی تجویزوں کے مطابق کاروائی ہو۔ اس کشمکش نے سر آسمان جاہ کو مجبور کیا کہ لارڈ لینسڈون سے ملاقات کریں حیدر آبادی سازشوں کے واقف کار دیکھ سکتے ہیں کہ اس معاملے میں کھلاڑیوں نے اپنے مذاق کے مخالف پہلو اختیار کیا ہے۔ اگر محسن الملک اور انتصار جنگ اپنی اپنی جگہ باہم دگر تبادلہ کر لیں تو یقیناً دوسرے ہی دن پالا محسن الملک کے ہاتھ رہے۔"

نیشنل کانگرس محسن الملک اور گلیڈ اسٹون

مکتوب محسن الملک:۔

جب ماہ ستمبر میں آپ نے مجھ سے ہوارڈن میں ملاقات فرما کر میری عزت افزائی کی تھی، میں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ اس مسئلہ پر کچھ

ہندستان میں دلچسپی ظاہر کی جاتی ہے۔ بغور فرمائیں یعنی مسئلہ نیشنل کانگریس سربرآوردہ اخبارات میں دو فریق ہو گئے ہیں یعنی ایک سر سید احمد خاں و سر آکلینڈ کالون وغیرہ کے خلاف دوسرے وہ لوگ جو

اگر ایسی حالت میں کوئی وجہ آپ کو خاموش رہنے کو مجبور نہ کرتی ہو تو آپ کی رائے اور مرتبہ کا اثر کسی حصہ دنیا میں اس سے زیادہ نہ پڑے گا جیسا کہ ہندستان میں ہوگا۔

ہم لوگ مسلمان، کانگریس ہی کے خلاف ہیں۔ مگر زیادہ تر اختلاف ان طریقوں سے ہے۔ جو اس کے بانیوں نے اس کے ہردلعزیز کرنے کے واسطے اختیار کئے ہیں۔ یہ مسئلہ ہمارے واسطے بہت وسیع ہے۔ اور نہ ہم نے ابھی یہاں اس قدر تعلیم پائی ہے کہ ایسے ملکی معاملات کو فائدے کے ساتھ سمجھ سکیں۔ اور نہ کوئی تاریخی شہادت اس امر کی موجود ہے کہ ایک مجلس واضعان قانون ہو، اس کے ممبر قوم اور مذہب جداگانہ ہوں ممکن ہے زیادہ کانگریس مقامی نزاع اور گورنمنٹ میں عیب بینی کرے۔ بہ مقابلہ اس امر کے کہ وہ کوئی مفید قانون بنائے۔

جواب گلیڈ اسٹون:۔ ۱۰ر دسمبر ۱۸۸۸ء۔ صاحب من! آپ کے دلچسپ خط کے جواب دینے میں اور ان ہندی مسائل کی پوری تحقیقات کو جن کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ بہت کچھ وقت کی ضرورت ہے کہ صرف کیا جائے جو میرے اختیار سے بعید ہے۔ انتخابی اصول نے بہت بڑا کام دنیا کی پچھلی تاریخ میں کیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی زیادہ کرے اس باعث میں اس کی وسعت کا خواہاں ہوں۔ میں نے یہ نہیں سنا کہ مسلمان اور بلکہ ہر کے عیسائیوں کی باہمی شرکت اور اتفاق سے کوئی نقصان پیدا ہو مگر یہ بڑی بھاری غلطی ہوگی اگر وہ اپنی موجودہ حالت میں وہ ایسے ممالک میں دیا جائے کہ جہاں

اس کی حالت دوسری ہے۔ ایک عرصہ کا غور اور ابتدائی صورت میں ایسے اصول کا رواج ایسی حالتوں میں بہت مناسب ہے.....“

”مدرستہ العلوم علی گڈھ اور تھیٹر کے عنوان سے ڈراما اور ناچ پر ۲ مارچ اور ۱۳ اپریل کے پرچوں میں سخت تنقیدی مضامین ہیں۔

۱۸ اپریل کے پرچے میں نواب محسن الملک کی ایک تقریر ہے تقریر طویل ہے جو ۲۵ اپریل کے پرچہ میں جا کر تمام ہوئی ہے۔

۲۵ اپریل کی اشاعت میں سرسید کو ایڈنبرا یونیورسٹی نے ایل ایل ڈی کی ڈگری دی ہے، اس کی خبر ہے۔

اور ۱۸۸۹ کے فائل میں سب سے دل چسپ مضمون ہے ”معلم الملکوت کی پیر نیچر کے نام چٹھی“ جو ۲۶ ستمبر کی اشاعت میں چھپا ہے۔ اس میں پنچ کا خاص رنگ ہے۔ اور علی گڈھ کی تفصیل بھی۔

”مائی ڈیر سید

شاید تم کو تعجب ہوگا کہ میں نے ان محبت آمیز الفاظ سے تم کو پھر یاد کیا۔ اور پھر ایسی ضرورت کے وقت تمہاری مدد پر آمادہ ہوتا ہوں۔ مجھ کو بے شک ملال تھا کہ تم نے باوجود میری اس درجہ حقوق اور عنایتوں کے بھی، میری رفاقتوں کی کچھ پروا نہ کی اور لارڈ ڈفرن کو ترجیح دے کر میرے خلاف بیعت کر لی۔ واقعی تمہاری ایک بہت بڑی غلطی تھی جو میرے مشن سے علیحدہ ہو کر تم معاملات ملکی کی جانب رجوع ہو گئے اور یکایک تم نے دین کی رخنہ اندازی سے اپنے خیالات کو پھیر کر بالکل پولٹیکل کر لیا۔

مگر نہیں

ایں درگہہ ما درگہہ نومید نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

...... مجھے ایک زمانے میں علی گڑھ کے طلبا کو نماز روزہ کا مائل دیکھ کر نہایت رنج ہوا تھا...... مگر معاف کرنا میں تمہاری بندشیں بندیوں کو اس وقت نہ سمجھ سکا..... جس خوبی سے تم نے ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلا اس کے شکریہ کا اظہار بھی ضروری ہے۔ خانقاہ اور مسجد کے رتبہ سے کالج کو تماشہ خانہ اور تھیٹر کر دینا تمہارے ہی بائیں ہاتھ کا ایک کھیل تھا۔ ؎

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

....

۱۸۹۱ء

اس سال کے فائل میں کئی اہم مضامین ہیں جن کے اقتباسات دیئے بغیر کام نہیں چلے گا۔ یہ مضامین مندرجہ ذیل ہیں:

اب عرش تلک جاتے دل کے مرے نالے ہیں
بیتابیوں نے دل کی کیا پاؤں نکالے ہیں

بعالی خدمت جناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب آنریری سکریٹری محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس۔

آنریبل سرسید: الہ آباد محمڈن کانفرنس کے اجلاس کے بعد سے آپ کے عقیدت کیشوں نیازمندوں اور بہی خواہوں نے کچھ اپنی بداندیشی اور ناسمجھی سے طوفان برپا کر رکھا ہے اور جس طرح دھڑلے سے وہ منہ اور زبانیں جو ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا وقف ستائش و زیبائش تھیں تا ساز راگ چھیڑ رہی ہیں اور جس طرح آپ کے تمام اگلے پچھلے کارناموں پر

زہریلے قلموں سے ریمارک ہو رہے ہیں۔ اور دعویٰ صادق ایمانی و آزادی کے ساتھ آپ کی نیک ناموں پر پانی پھیرتے اور صفحۂ ہستی سے آپ کی یادگاروں کو مٹانے کی کوششیں کی جاتی ہیں غالباً جب کبھی آپ ان باتوں کا خیال کرتے ہوں گے تو آپ کو سخت حیرت ہو جاتی ہو گی کہ خداوندا ؎

ایں چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

ایک سرے سے یہ کیسا نیل کا ماٹھ بگڑا ہے۔ بنی بنائی بات میں فرق آیا جاتا ہے۔ گھر کے گھر ہی میں پھوٹ پھیل گئی۔ افسوس ؎

تجھے جو دل سوز ہے وفا ٹھیرے
جھوٹے کولوں کی آگ کیا ٹھیرے

مگر جناب سید صاحب آپ زیادہ تعجب نہ فرمایئے۔ مستقل مزاج حضرات جو پرانی لکیر پیٹتے پیٹتے علماء کا درس سنتے سنتے وعظ و نصیحت پر روتے رہتے آپ کی شہنائی کی سریلی دلکش آواز پر ایسے محو اور خود رفتہ ہو گئے کہ پٹہ توڑ کر داخل یاران نیچریہ ہو گئے اور دین دنیا۔ مذہب و ملت۔ خدا اور رسول سے ہاتھ دھو تہذیب و آزادی کا دم بھرنے لگے یہی ہاتھ جو حضرت واعظ کی بدولت گریباں چاک کرنے کو بڑھے تھے اب گویا پیر میکدہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو کام آئے۔ اور وہی دل جن میں ابھی مذہبی جوش نے گرما گرمی پیدا کر دی تھی اور جن میں پرانا فروعظ کی برکت سے وہ

دنیا ہمہ ہیچ و کار دنیا ہمہ ہیچ

کا خیال جم گیا تھا صرف آپ کی جادو بیانیوں اور خیالی سبز باغوں پر وارفتہ ہو کر سارے عالم کو چھوڑ ؎

مسجد ایسی بھری بھری کب ہے
میکدہ اک جہان ہے گویا

کا وظیفہ پڑھنے لگے ایسے حضرات سے بھلا کیا خاک امید ہو سکتی تھی کہ آپ کی رفاقت و وفاداری میں ثابت قدم رہیں گے۔ بلا شبک ایسے اہلِ دل حضرات سے آپ کو یہی توقع رکھنی چاہئے تھی کہ ایک نہ ایک دن اس رنگ سے بھی یونہی منہ موڑ لیں گے۔ اور ایسا پھر جائیں گے کہ کسی طرح قابو میں نہ آئیں گے۔ جس زمین میں خود مادہ قابلیت نہیں ہوتا اس میں چاہے کتنا ہی زوردار بیج ڈالئے ہرگز اس کا بیج قوی نہیں ہوتا نہ تو زیادہ برگ و بار لاتا ہے نہ کوئی معتدبہ فائدہ پہنچاتا ہے جن دماغوں میں جوہر قابلیت کی کمی ہوتی ہے جو لوگ زوردار طبیعت نہیں رکھتے وہ ع

آندھی کی طرح آئی طبیعت جدھر آئی

کا خواص رکھتے ہیں پس ایسے لوگوں کی نہ موافقت کا کوئی اثر نہ مخالفت کا نہ ان کا اتفاق باعث مسرت نہ اختلاف باعث تاسف۔ " من قال" سے مجھے زیادہ بحث کرنا نہیں۔ " ما قال" پر نظر کرتا ہوں کہ ان کے اعتراضات کس قسم کے ہیں اور کہاں تک ان میں آپ کی مستغنی الصفات ذات کو دخل ہے۔

جناب سید صاحب یقیناً آپ میرے اس بے محل تخاطب سے بھی کسی قدر چونکا ہوں گے اور کان کھڑے کریں گے کہ دیکھئے یہ کیا زہر اوگلتا ہے۔ کیونکہ اب تو ادھر سے جو ہوا چلتی ہے وہ مخالف ہی چلتی ہے اور ہر جھونکے میں۔ ع دل مجنوں کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے۔

مگر آپ مطمئن رہئے۔ ان معاملات میں میں ہرگز آپ کو خاطی و مجرم قرار نہیں دے سکتا مسلمانوں سے آپ سے آج نیا سابقہ نہیں ہے

برسوں سے آپ اور وہ ملے ہوئے ہیں آپ کی خو بو عادت و اطوار سے وہ بخوبی واقف۔ پس یہ انہیں کی خطا ہے کہ آپ کو رفارمر بنایا جس قوم کی رفارمری اور لیڈری آپ جیسے برگزیدہ بزرگوار کے ہاتھ میں ہو اس قوم کا اللہ بیلی ہے۔ بھلا آپ اور مسلمانوں کی رفارمری۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

جو کچھ الزام آپ کے مخالفین آپ پر رکھتے ہیں ایک سرے سے (میں جو غور کرتا ہوں تو) انھیں حضرات کو ملزم پاتا ہوں کیا معنی کہ آپ نے ایک نہیں ہزار مرتبہ اپنی زبان و قلم سے لوگوں کو آگاہ کر دیا تنبیہ کر دیا۔ قولاً و فعلاً ہر طرح سے ایک عالم پر آشکارا کر دیا کہ یہ کھیل کھیلتا ہوں یوں کھیلتا ہوں یہ لکڑی ہے اور اسی کے بل سب بندروں کو نچاتا ہوں۔ اس پر بھی آپ کے کاموں میں جان بوجھ کے دخل دینا اور برابر ناعاقبت اندیشی سے شریک حال رہنا اور آخر کار نتیجہ پر غور کر کے چیخنا چلانا اور زبان شکایت کھولنا معنی چہ؟ اول تو یہ کس نے کہا تھا کہ تم آنکھ بند کر کے آمنا صدقنا کر کے شریک ہو۔ اتفاق رائے کرو اور پھر بعد خرابی بسیار دو ہائی و تہائی بچاؤ کہ ارے غضب ہو گیا بڑی بربادی۔ اگر ساتھ دیا تھا تو قول مرداں جان دارد پر عمل کرتے کڑیاں جھیلتے مگر قافیہ تنگ نہ کرتے نقصان ہوتا گوارا کرتے شماتت ہمسایہ بھی سہ لیتے کہ شاید خدا کو کچھ اس میں بھلائی منظور ہوگی۔ اور یا بالکل الگ تھلگ ہی رہتے۔ کسی بات میں دخل نہ دیتے، کسی مشورے میں شریک نہ ہوتے، خود ہی تمام باتوں میں دخل در معقولات دینا اور پھر اسی پر معترض ہونا، یہ کس استاد نے پڑھایا ہے۔ یہ تو وہ ہوئی کہ ؎

دیدہ بودم روئے تو دانستہ بودم خوئے تو
دیدہ و دانستہ خود را در بلا انداختیم!

خود ہی تو ہاں میں ہاں ملا پیرانِ نمی پرند و مریداں می پرانند کے مصداق بنے، اب پیر جی نے ذرا بلند پروازی کی تو ملاحیاں سنانے لگے۔ خود کردہ را چہ علاج جیسا کیا ہے ویسا پاؤ گے۔ اگر پہلے ہی سے عاقبت اندیشی سے کام لیتے ناصح مشفق کی بات سنتے تو آج کیوں روتے بس قصہ مختصر یہ جہاں تک میں نے سمجھا اور غور کیا ہے ہرگز ہرگز آپ کا قصور نہیں یہ سب انھیں معترضین کے اعمالوں کی سزا ہے۔ اور واللہ آپ جس قدر بے عنوانیاں اور بے ضابطگیاں کریں سب روا ہیں کیونکہ بغیر اس کے ان لوگوں کے کان نہ ہوں گے اور زنہار تنبیہ نہ ہوگا آپ کے سابق مرید از رنال مخالف حضرات کا بڑا اعتراض الہ آباد کانفرنس کے پریسیڈینٹ پر ہے حالانکہ یہ ان حضرات کی محض غلط فہمی ہے۔ پریسیڈنٹی کا کام ایک ذمہ داری کا کام ہے اور ہرگز آپ جیسے آدمی کے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ ایرے غیرے نتھو خیرے کو بلا کر پریسیڈنٹ بناتے۔ آپ نے اپنے اعتبار و ذمہ داری پر پریسیڈنٹ کا انتخاب فرمایا۔ کانفرنس آپ نے بنائی اس کی تمام کاروائیاں آپ کی آنکھ کے اشارے پر ہوتیں۔ اس کے تمام قواعد آپ کے غور و فکر کے نتائج، اس کے رزولیوشن آپ کے مختلف خیالات کے آئینہ، پھر پریسیڈنٹی کا انتخاب آپ نہ کرتے تو کون کرتا۔ دوسرے یہ کہ دو سال تک تو قوم نے ان کو پریسیڈینٹ بنا ہی لیا تھا۔ اب کی سال چونکہ زیادہ جھنجٹ کاروائی میں منظور نہ تھا وہی سابق پریسیڈینٹ پھر کرسی پر بٹھا دیئے گئے اس میں قباحت ہی کیا ہوئی نئے پریسیڈینٹ بنانے میں ہر طرح کے وسوسے

تھے کوئی افتاد پڑ جاتی تو سبھی منہ نوچنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ اس سے بہتر ہوا کہ
وہی جانا بوجھا دیکھا بھالا پریسیڈنٹ پھر کانفرنس میں ایک مرتبہ بٹھا دیا گیا۔
باقی یہ تو سب کو معلوم ہے کہ کانفرنس کے اب وجود ہیں تو آپ ہیں۔ جزو کل ہیں تو
آپ ہیں نفس ناطقہ ہیں تو آپ ہیں۔ وہی ہوتا ہے جو آپ کی مرضی ہوتی ہے
اسی پر عمل ہوتا ہے۔ پھر اگر وہ پریسیڈنٹ نہ ہوتے کوئی اور ہوتا۔ تو نتیجہ
کیا نکلتا۔ پریسیڈنٹ صاحب کرسی کی رونق کے واسطے بٹھائے گئے تھے۔
کچھ مجسٹریٹ یا کلکٹر نہیں بنائے گئے تھے کہ مقدمات کا انفصال کرتے۔ قومی
جھگڑے چکاتے اور نہ ان جھگڑوں کے واسطے کانفرنس قائم ہوئی ہے۔

جناب سید صاحب۔ اس وقت مجھے فرصت کم ہے اور معترضین
کے اعتراضات ابھی بہت باقی ہیں۔ اس لئے آئندہ ہفتے میں دوسری
چٹھی میں سب کے جواب دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ ان جوابات کو لائق
سمجھ کے علی گڑھ گزٹ میں بھی شائع فرمائیں گے۔ زیادہ حد ادب۔

راقم

آپ کا نیازمند فیثاغورث (۱۳ر مارچ سنہ ۱۸۹۱ء)

نیچری کانفرنس کا خاکہ[۱]

(مقام الہ آباد)

سر سید محسن الملک کو آتے دیکھ کر (جی ہی جی میں)

بڑی مشکل سے یاروں کی کانگریس سے محسن الملک نکلے
کوئی تدبیر ایسی ہو کہ یہ بھی آج ہو جائیں نکلیں

۱؎ یہ نون نیچری کا ہے جو سید صاحب کی تحریر کی خصوصیات میں سے ہے۔

محسن الملک سر نیاز جھکا کر

نہ غرض کفر سے رکھتا ہوں نہ اسلام سے کام
مدعا مجھ کو تو سید سے ہے اور نام سے کام

پریسیڈنٹ صاحب سہ بارہ اعزاز صدارت پا کر جوش مسرت سے

دیگرے بار صدارت نہ توانست کشید
قرعۂ فال بنام من ناکارہ زدند !!

جسٹس محمود

تری کیا بات تو خوش ظرف عالی جاہ ہے سید
بہک جاتے ہیں کم ظرفی میں ہم تو اک پیالے میں

سید صاحب پرانے رفقا سے

اب نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تم ہو نہ وہ دل نہ وہ آنکھ
آپ بھی چوک گئے ہم نے بھی دھوکا کھایا

پرانے رفقا سید صاحب سے

تسلی دم واپسیں ہو چکی
بہت ہو چکے جب نہیں ہو چکی

دیندار مسلمان محسن الملک سے

محتسب آج تو میخانے میں تیرے ہاتھوں
دل نہ تھا کوئی کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا

نیچری مسلمان سید صاحب سے

جام ٹوٹا بدست کہ مینا ٹوٹا
دل مسلماں کا کوئی چیز ہے ٹوٹا ٹوٹا

سید صاحب جھوم جھوم کے

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

راقم

ہم بھی کشتہ تری نگاہ کے ہیں
او زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے

(اودھ پنچ ۱۵ : ۱۱، ۱۲ار مارچ ۱۸۹۱ء)

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

سید احمد خانیوں کے نیچر میں خلاق ازل نے ابتدا ہی سے یہ بات رکھ دی ہے کہ سارے عالم کے مباحث میں پیر جی موجود ہو جاتے ہیں۔ پولیٹیکل سوشل مارل۔ اغیرہ وغیرہ میں لکھتے لکھتے آخری تان ہمیشہ مدرسۃ العلوم یا بانی مدرسۃ العلوم کی مدح سرائی میں ٹوٹتی ہے مرثیوں میں ٹیپ کا بند، ٹیپ کا مصرع اور نیچری بھائیوں کے مضامین سیدیک اینڈ کمپنی کی ستائش سے بے جا کانفرنس ہوئی — اس میں رباعیوں، قصیدوں، مسدسوں کے ذریعہ اسی عارضہ نے حلول کیا تعمیر ہوا اس میں قومی نظموں کے پردے میں اسی نے جھگڑ دکھلایا۔ الغرض جس چیز کو دیکھیے اسی میں حضرت کا گذر جس شے پر نظر ڈالیے آپ ہی کا دخل۔

ایک صاحب نے عیسائیوں اور مسلمانوں کے باہم مناکحت پر مضمون لکھا ہے اس میں سید محمود صاحب کی تعریفوں کا پل باندھ دیا۔ ان کے زہد و تقویٰ پرہیزگاری کی دھوم مچا دی حالانکہ جن لوگوں کو انگلستان جانے والوں کی کماہی حالات سے آگاہی ہے اور جو شخص مسٹر محمود صاحب کے طرز معاشرت اور روش سے آگاہ ہے وہ بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس معاملہ میں مسٹر محمود کس درجہ تعریف کے مستحق ہیں۔ سوا مسٹر محمد احمد صاحب کے اور کن بزرگوار نے کسی عیسائی لیڈی سے مناکحت کی بہت مسلمان بیرسٹر خاص ان صوبجات و دیگر صوبہ جات کے اب موجود ہیں جن میں یہ صفت مشترکہ موجود ہے پھر مسٹر محمود صاحب میں کیا شاخ زعفران لگی تھی کہ سب ایک طرف رہے مگر حضرت کے زہد و تقویٰ کا ڈنکا بجایا گیا۔ وہی صاحب اب مجوزہ نئے بورڈنگ ہاؤس میں ایک یوروپین معلمہ کی تقرریہ کی بحث میں لکھتے ہیں کہ انگریز لفظ

ڈیوٹی یا فرض منصبی کے ایسے عمدہ معنی جانتے ہیں جس بناء پر برٹش گورنمنٹ نے تمام ہندستانی ریاستوں کو زیر کرتے وقت یہ معاہدہ کر لیا کہ وہ کسی یورپین کو بلا اجازت و حکم گورنمنٹ انگریزی کے نوکر نہ رکھیں۔" واقعی اس سے انگریزی کے سنس آف ڈیوٹی کو آپ نے خود ثابت کیا ہے۔ گورنمنٹ اس خیال سے کہ مبادا اور حریف یورپین قوم کا کوئی شخص دیسی رؤسا کے درباروں میں جگہیں پا پا کے گورنمنٹ کے خلاف کوئی سازش نہ کرے ایسا معاہدہ کر لیا ہے۔ اس کو ڈیوٹی سے کیا علاقہ۔

اسی "ڈیوٹی" کے معنی جاننے کی دوسری مثال میں مسٹر بک آنرسکے اور راقم صاحب یوں گوہر افشاں ہوئے۔

"اور جس کی بناء پر بانی ڈیربیک' ایک عیسائی مدرسۃ العلوم کے طالبعلم کو اس بات پر سزا دیتا ہے کہ اس نے نماز کیوں نہیں پڑھی۔" آمدم بر سر مطلب۔

"واہ حاجی صاحب واہ کیا خوب مثال آپ نے عنایت فرمائی ہے واقعی کیا عمدہ بات ہے۔ ہم تو برابر دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہندستان کے اکثر جو ہندو کی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت پر مامور کئے جاتے ہیں ایسا ہی کچھ کرتے ہیں اور کسی مذہبی عقائد کا ذکر بھی درمیان میں نہیں لاتے۔ وہ غیر مذہب ہو کے وہی کرتے ہیں جو آپ کے کالج کے پرنسپل صاحب کرتے ہیں۔ پھر اس میں قابل فخر کون بات ہوئی۔ اب رہا یہ امر کہ یورپین لیڈی مقرر کی جائے گی تو وہ کیا کرے گی۔ اس کے واسطے ہم آپ ہی کا ایک قول پیش کرتے ہیں۔ آپ ایک مضمون میں تحریر فرما چکے ہیں کہ

"یورپین لیڈیاں ہندستانیوں کی کس قدر تحقیر کرتی ہیں یعنی وہ ہندستانیوں کو ایک وحشی جانور کے برابر جانتی ہیں۔"

جب عام طور سے آپ کی یہ رائے یورپین لیڈیوں کے نسبت قائم ہو چکی
مذہبی نظر اور غالباً یہی ان کی صحبت الٹا اثر کرنے والی ہوگی۔ ہاں مسٹر بک
کے کوئی قرابت دار ہوں تو شاید ان میں یہ مادہ نفرت و تحقیر نہ ہو۔
اسی مضمون میں حاجی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"خوش قسمتی سے مدرسۃ العلوم کی قسمت ابھی ان مسلمانوں کے ہاتھوں
میں ہے جن کو طنزاً نیچری کہا جاتا ہے۔"

ایں۔ یہ کیا کلمۂ کفر بک دیا۔ ذری زبان سنبھالے ہوئے۔ دیکھئے
نیچر جی ہراساں جائیں گے۔ ماشاء اللہ یہ طنزاً نیچری کہے جانے کی بھی ایک ہی
ہوئی۔ اے حضرت گرو جی سے پوچھئے۔ نیچر نے ان میں حلول کیا ہے۔ ان کا
تن من دھن سب نیچر ہے۔ خلاف نیچر تو ان میں کچھ ہے ہی نہیں۔ پھر اس میں
کوئی طنز کیوں کرنے لگا۔ اور اس کی حاجت ہی کیا رہی جب کہ وہ خود
ہزار مرتبہ بندۂ نیچر ہونے کا دعویٰ کر چکے اور ڈنکے کی چوٹ نیچر بن چکے۔
ان کے نزدیک، مذہب، ملت، دین ایمان، خدا، رسول سب (معاذ اللہ)
نیچر ہی نیچر ہے۔ ہر جگہ نیچر کا جلوہ۔ ہر چیز میں نیچر کا کرشمہ۔ ان کے قول میں،
فعل میں، کھانے میں، پینے میں، اٹھنے میں، بیٹھنے میں بالکل نیچر ہی نیچر ہے ——
سوتے جاگتے نیچر کے زور سے، بولتے چالتے نیچر کی مدد سے۔ الغرض وہ
کون سی زمین ہے جہاں آسمان نہیں۔

راقم

ہر نیچر کے دائرے ہی میں رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردش پرکار پاؤں میں

بقلم اختر لکھنوی (۱۵: ۲۹ مورخہ ۱۶ جولائی ۱۸۹۱ء)

خوش آمدی!

پیچھے حضرت سید صاحب کی دم کش پہاڑی بنا سرمور گزٹ نے بیندی حالت میں رہ کے پردۂ خفا سے عالم ظہور میں جلوہ فرمایا۔ خدا سید صاحب اور ان کے چیلوں کو مبارک کرے اس مرتبہ دوسرے جنم لینے کی برکت سے کس قدر قد و قامت میں کم ہو کے نکلا ہے۔ ہم کو ہمیشہ سے اس بے چارے کے حال پر یہ تاسف رہا ہے کہ یہ اپنے زمانہ نشو و نما میں گولر کے بھنگے کی طرح نیچریوں کے تنگ و محدود دائرہ ہی کی بہاریں دیکھا کرتا ہے اور دنیا بھر کی سیروں سے کوئی حظ نہیں اٹھاتا۔ انھیں کی سی زٹیلیں لڑتا اور انھیں کے سے چہچہے بھرتا ہے۔ اسی مرتبہ ٹرسٹیز بل کا معاملہ در پیش ہوا۔ یہ بے چارہ ایک ایک سے لڑتا پھرا، اب الہ آباد کانفرنس کی دھاک باندھتا اور محسن الملک کے لکچر کی دھوم مچاتا ہے اور نکتہ چیں حضرات کی اعتراضات سنتا گڑ یا پٹیلتا اور دو چونچیں لڑتا ہے۔ حق یہ ہے کہ سید صاحب کے پیچھے یہ بے چارہ مرشا گیا سید صاحب نے قدر نہ جانی حتیٰ کہ ٹرسٹیز بل کے معاملے کے ختم ہوتے ہی سب نے علم آباد کی سیدھیاں بھریں اور دنیا کو خیر باد کہا۔

سرمور گزٹ کی اشاعت سے ہم کو دھڑکا لگا ہے کہ نیچری دنیا میں کچھ انقلاب ہونے والا ہے۔ اور طویلے ہی میں دولتی چلنے کے سامان ضرور نظر آتے ہیں۔ کیا وجہ کہ جب اس مرتبہ حضرت نکلے تھے تو بطور مقدمۃ الجیش کے ٹرسٹیز بل کے واسطے راستہ صاف کرتے اور تختر کی اچھل کود پر واہ واہ کی تانیں لگاتے نکلے تھے۔ اب کے دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ چونکہ سید صاحب ایسا دور اندیش آدمی ہیں یقیناً ہم کو اس کی علت غائی معلوم کرنے کے واسطے بہت عرصہ

لگے گا اور جلد کوئی حال نہ کھلے گا۔ خیر آپ چشم براہ رہیئے عنقریب پردہ اٹھ جاتا ہے ہم تہہ دل سے دعا کرتے ہیں کہ سر مور گزٹ نیچری دنیا میں خوب پھلے پھولے اور پیرجی کے دل کو ڈھارس دیتا رہے۔ اور ہم ایک دفعہ تو پڑھ چکے ہیں دوسری دفعہ

ع در بہاراں زاد و مرگش در دے اَستا

راقم وہی نیاز مند قدیم اختر
(اودھ پنچ مورخہ ۱۶ جولائی ۱۸۹۱ء)

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس سید
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

ہمارے سر سید گلے میں جھولی ڈال چیلوں کو ساتھ لے دکن کی طرف گداگری کے واسطے نکلنے والے ہیں۔ خدا اس فقیر کی جھولی کو طرح طرح کے ٹکڑوں سے بھرا بھرا الہا لائے۔ سچ ہے۔ ع

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد

ایک زمانہ تھا کہ سید صاحب اور اور ترکیبوں سے روپیہ وصول کرتے تھے کبھی قوم کو سبز باغ دکھلاتے کبھی ڈانٹتے کبھی غیرت دلا کر کبھی قلم کے زور سے مطلب نکالا کبھی سحر بیانی سے رنگ جمایا۔ اب ضعیفی کا زمانہ بہت سی باتوں میں کمی۔ اب سہل نسخہ یہی سوجھا کہ اس معزز طریقہ سے کچھ وصول کر لو۔ لیکن ایک نئی بات پیدا ہو گئی ہے۔ اس کا جواب نہیں معلوم کیا ذہن عالی میں ہے۔ افسوس حضرت کا پٹھو سر مور گزٹ دوبارہ زندہ ہو کر خواب عدم میں سو گیا۔

نہیں تو اسی سے پوچھتے کہ اس طرح کی گداگری ملک اور قوم کے واسطے تو کسی طرح معیوب نہیں بلکہ موجب فخر و مباہات ہے مگر یہ بات اس وقت تک تھی جب تک کالج قوم کا کالج تھا۔ اب تو سلامتی سے آپ اس فنڈ اور املاک کو گویا آپ نے اپنے صاحبزادے کے نام ہبہ فرما دیا۔ اب ذاتی جائداد ہوگی اور آئندہ جو کچھ اضافہ و ترقی ہوگی وہ بھی ذاتی ہوگی۔ پس ذات کے واسطے بھیک مانگنا اگر موجب فخر ہے تو میاں مدار اور کلو باعصو جو بے چارے دربدر خاک بسر صدائیں لگاتے بھیک مانگتے پھرتے ہیں وہ بھی قابل ملامت نہیں بلکہ آپ سے زیادہ مستحق امانت ہیں۔

خیر یہ تو دکھنیوں کی رائے پر چھوڑ دینا چاہیے جو چاہیں سمجھیں اور جس طرح چاہیں پیش آئیں مگر ما بدولت چونکہ ہمیشہ نیک صلاح سے دریغ نہیں فرماتے تھے لہٰذا حسب عادت اس دفعہ بھی مشورہ دیتے ہیں کہ اپنے مقصد کے مناسب اگر سامان بھی رکھیں تو سرسید کو زیادہ بھیک ملنے کی امید ہو اور دل لگی کے واسطے تماشے کا تماشا رہے یعنی اول تو ریل کا سفر خیرباد کہیں۔ منزل بہ منزل سفر عجب لطف خیز ہوتا ہے بخصوص جب حالی اور ذکاء اور کون اور کون اہالی موالی ہمرکاب ہوں پس مناسب ہے کہ ایک کانا ٹٹو سستے داموں کا خرید فرمائیں نسل اگر اس گھوڑے کی ہو جس پر بقول سودا شیطان سوار ہو کر جنت سے نکالا گیا ہے نہایت مناسب ہو اور درصورت عدم دستیابی اٹلی کا گدھا مضائقہ ندارد اور کیا۔ عجب نہیں یورپین ہونے کی وجہ سے یہی پسند طبع بھی ہو گئے ہیں جھول کی حاجت نہیں۔ دونوں طرف خورجی کافی ہوگی۔ مولانا حالی کی تصنیف کوئی نیچری مناجات

عزیز و حق تعالیٰ کبریا ہے ۔۔۔۔۔۔۔ شرف جس نے یہ چندے کو دیا ہے

۱۱

محبوب ہو اچاہے تو چندے کا ذکر کر   گر حق کی شنیع چاہے تو چندے کا ذکر کر
کے طرز پہ اونچے سروں میں پڑھتے جانا چاہیئے۔ اگر مولوی صاحب
معذور ہوں تو ایں جانب کی خدمت میں بھی نامہ بھیج دیں یہاں سے انشاءاللہ
تازہ دم ترقرا تا منا جات روانہ ہوگا اللہ نے چاہا جس گلی کوچے میں ہو کر نکلیں
گے ہزاروں پیسے برسیں گے خصوص تو چندے اتوار منگل کو تو بہت
سے لڑکے ۔۔۔۔۔۔ بال لینے کو ٹوٹ پڑیں گے۔ اس واسطے مناسب ہے
کہ سل رکن ولایتی کل کا لانگ کوٹ موجود ہے ورنہ نہایت دقت ہوگی۔
"ہمارے نزدیک اس سفر میں عجلت کرنا چاہیے۔ کیونکہ پنجاب میں
ایک حضرت مسیح پیدا ہوئے ہیں کہیں وہ بھی نہ سفر شروع کردیں تو مقدم
موخر لکھنا پڑے۔

(اودھ پنچ مورخہ ۱۴ر اگست ۱۸۹۱ء)

۱۸۹۳ء

کھلے خط کے عنوان سے رفیق ہند کے ایڈیٹر اور مولوی نذیر احمد
کے نام اصغر حسین کے دو مضمون ہیں۔

"بنام ایڈیٹر رفیق ہند"

"چشتی صاحب!

میں نے جب آپ کے مقاصد غور سے دیکھے تو وہ یہ نکلے۔
(۱) سرسید کے اثر کو پنجاب سے مٹانا (۲) خان بہادر برکت علی صاحب
کی سرکاری اور عام ہر دلعزیزی کو نیست و نابود کرنا۔

ان مقاصد میں فروغ و کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے مندرجہ ذیل طریقے اختیار کئے گئے۔

(۱) آپ نے سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن کلکتہ کی، جس کے اس زمانے میں مسٹر امیر علی سکریٹری تھے۔ لاہور میں ایک شاخ قائم کی (۲) دیگر انجمن ہائے اسلامی لاہور کے مقابلے میں اپنی انجمن کے وجود کو نمایاں طریقے سے سرکار و عوام کو بتانا چاہا۔ (۳) اپنے اخبار اور دیگر صاحبان اخبار سے جو معاملات کانگریس کی وجہ سے سرسید احمد اور انجمن اسلامیہ کے مخالف تھے قلمی امداد چاہی جو فوراً ملی۔

جب حکام و عوام کی کج فہمی یا بدقسمتی سے اس طریق عمل میں آپ کو کامیابی نہ ہو سکی۔ اس وقت محض مجبوری سے آپ بیچارے نے یہ تدابیر اختیار کیں۔

(۱) اخبار رفیق عام بند کر دیا (۲) کشمیر چلے گئے (۳) وہاں سے واپس آکر دوبارہ اخبار جاری کیا۔ (۴) اس بار بجائے پولیٹیکل یا جماعتی مضامین کے زیادہ تر ذوق و شوق محبت خدائی کا اظہار کیا۔ (۵) دنیا ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ۔ پر ایمان لے آئے۔ (۶) توکل کا شیوہ اختیار کیا۔ خود کو صوفیائے کبار کا معتقد ظاہر کیا۔ (۸) سرسید سے پرانے مذہبی اختلافات کی تجدید کی ـــ یہ سب امور ملحوظ رکھ کر اب ایک خوفناک بدزبانی کا محض توکل بخدا آغاز ہوا اور مقاصد کی نوعیت صاف الفاظ میں ظاہر کر دی گئی۔ یا بقول آپ کے کاروبار شروع ہو گئے۔

مگر اس کاروبار کا معتد بہ حصہ ایسا ہے کہ شاید ہی خدا تنہا آپ کی مدد کرے اس لئے کہ سرسید احمد خاں، برکت علی خاں اور نذیر احمد صاحب کی نسبت ہم کو نہایت معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ خدا کے بندے ہیں اور یہ عظمت و اقتدار دنیاوی جو کہ ان کو حاصل ہوا ہے وہ منجانب اللہ ہے

اور اس کا خود وہ لوگ اقرار کرتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میری فہم ناقص میں آپ کے مقاصد و طریق عمل دونوں براہ راست مرضئ باری تعالیٰ کی مخالفت کر رہے ہیں۔

خدا تنہا آپ کا پریس نہیں چلاتا۔ اس کے احسانات اور رحمتیں عالمگیر ہیں۔ وہ لا مذہب اور بد اعمال کے بھی اسی طرح آڑے وقتوں کام آتا ہے جیسا کہ ایک زاہد پرہیزگار کے جس نے راتوں کو تہجد میں صرف کیا ہو۔ یا ایک صوفی رند طبیعت کے جس کے سر میں سودائے جستجوئے حقیقت کے سوا کوئی ہوا و ہوس نہ ہو۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ نے کسی پرچے میں اطلاع دی تھی کہ لاہور میں کوئی انجمن حمایت چشتی قائم ہوئی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی تحریر ہوا تھا کہ نیچری پارٹی مولوی نذیر احمد کی امداد بڑی سرگرمی سے کر رہی ہے اور یہ کہ آپ کو ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے اگر کسی کے لئے کشمیر کا تمام خزانہ صرف کر دیا جائے۔

مضمون کے بغور پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کے خیال میں انجمن حمایت چشتی تو محض خدائی احکام کی تعمیل ہے۔ مگر نیچری پارٹی کی امداد جو مولوی نذیر احمد کے لئے شروع ہوئی ہے وہ بغیر حکم باری تعالیٰ کے ہوئی اور ہو بھی سکتی ہے۔ ان خیالات کے قلمبند کر لینے سے آپ نے اپنے خدا کو جو صرف آپ ہی کی مدد کرتا ہے اپنی مدد پر بہت کچھ ترغیب و حوصلہ دلایا۔ یا یوں کہئے نذیر احمد کے خلاف خوب بھڑکایا ہے۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھ کو اس ضعف تیقن اور تذبذب خفگانہ پر بڑا افسوس ہوا کیونکہ آپ نیچریوں کو کم سے کم خدائے عالم اسباب تو ضرور تسلیم کرتے ہیں۔

اور جو کچھ باقی رہتا ہے وہ آپ اپنے خدا کے سپرد کر دیتے ہیں ... ... دنیا میں
صرف دو کام کرتا ہے۔ ایک تو آپ کا پرلیس چلاتا ہے۔ دوسرے تمام عالم کے
خلاف مقدمات ازالہ حیثیت عرفی دائر کرتا ہے۔

انسان فطرتاً خود غرض ہے۔ وہ ہر بات میں اپنا نفع اور نقصان بہت
جلد دریافت کر لیتا ہے۔ اور عام طور سے محض خدا کی راہ میں کوئی کام نہیں
کرتا۔ میں ہوں یا آپ، اس کلیہ کی صداقت سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔

سر سید احمد کہتے ہیں کہ ہم ہی جس نے مسلمانوں کو تعلیم دی۔ مسٹر
امیر علی اصرار کرتے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کو ان کی پولیٹکل حیثیت سمجھائی
برکت علی خان کا خیال ہے کہ ہم نے بھی پنجاب میں حقوق اسلامی کی حمایت
کی ہے مگر اب آپ فرماتے ہیں کہ ہم سب میں اچھے، اکیلے ہم ہی نے
سب کچھ کیا ہے۔

ان تینوں صاحبوں کو تو جانے دیجئے کیونکہ ان کی خدمات کا تصفیہ
عام مسلمان پہلے ہی کر چکے ہیں۔ مگر ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے
قبل ایسا دعویٰ کرنے کے ہم لوگوں سے رائے کیوں نہ لی۔ یہ بات ہم ہی
لوگ بتا سکتے ہیں کہ آپ نے کچھ کیا بھی ہے۔

چشتی صاحب! ہم کو آپ سے بڑی شکایت ہے کہ جو فرض ہمارا
ہے اس کو بھی آپ ادا کئے ڈالتے ہیں۔ آپ کی شتابی ظاہر کر رہی ہے
کہ جس چیز کے آپ طلبگار ہیں وہ آپ جیسے شخص کے لئے بہت ہی
عظیم الشان ہے۔ اور یہ کہ آپ اس کی صلاحیت و قابلیت سے
اس قدر دور ہیں جتنا کہ ایک زاہد جنت پرست حق پرستی سے

دھوپ میں ہم کو خراب و خوار رہنے دیجئے
آپ اپنا سایۂ دیوار رہنے دیجئے

آپ کا نیاز مند غائبانہ: محمد اصغر حسین
(۲۵ رمئی)

کھلا خط

بنام مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی"

معلوم ہوتا ہے آپ نے اپنی اسپیچوں اور لیکچروں کا یہ انتظام کر رکھا ہے کہ تمام تمسخر اور بے تکلفی کی باتیں جو آپ اوقات خاص پر احباب خاص سے کرتے ہیں۔ مجتمع کر کے کبھی کانفرنس میں پڑھ دیں اور کبھی کسی انجمن میں سنا آئیں۔ اور پھر آپ کے حامیوں کی دیدہ دلیری یا بدقسمتی سے کبھی وہ مسلمانوں کی تعلیم پر اسپیچ اور کبھی فطرت اللہ پر لیکچر سے نامزد کیا جاتا ہے۔

..... لوگوں نے آپ کی تصانیف بابت تعلیم نسواں کی اشاعت کے بعد آپ کو اردو زبان کا ایک اچھا ادیب اور اسلامی خاندانوں کے طرز معاشرت کا ایک ہوشیار واقف کار سمجھا تھا۔ اور بحیثیت ایک مصنف کے قدر و عزت کی تھی۔

..... اب آپ نے ان تمام غلطیوں کو ایک بار کی کرنا چاہا جن کو بچ کر تمام آپ بقیہ عمر میں اطمینان سے کر سکتے تھے ..... کوئی ایک شخص تمام طرح کے کاموں اور مختلف صیغہ جات پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ توبۃ النصوح کے — مراۃ العروس اور بنات النعش کے سوا اچھے پولٹیکل اور علمی لیکچر دینے کی کوشش میں کامیاب ہو جاتے یا جناب میر انیس صاحب مرحوم کے طرز پر گرم اشعار

نکال لیتے۔ یا جدید مسائل ہندستان کے متعلق کوئی سنجیدہ اور قابل درآمد رائے قائم کر سکتے تو انتظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔

ایجوکیشنل کانگریس یا انجمن حمایت الاسلام کوئی آپ کا پرائیویٹ کمرہ نہ تھا اور نہ تمام مسلمان یا حاضرین جلسہ کھلی بازی کے ذریعہ سے انتظام معاملات کرنے کے مشتاق تھے۔ آپ اکیلے نے تمام دنیا کے ساتھ چھیڑ خانی کی۔ اب تمام دنیا آپ کے ساتھ چھیڑ خانی کر رہی ہے۔

ایک دانا شخص کی رائے ہے کہ نقصان جلد بھلا دیا جا سکتا ہے۔ مگر توہین کبھی نہیں بھولتی" اور پھر کہتا ہے کہ "اشخاص معافی توہین کر سکتے ہیں، مگر اقوام و مجامع نہیں کر سکتے......

...... کانگریس یا انجمنوں کی شرکت اچھی بات ہے لیکن اختلافات مذہبی اور فریقی کا تصفیہ آپ سے کس نے چاہا تھا اور کس نے آپ سے راہ حقیقت یا صراط المستقیم دریافت کی تھی کہ آپ صرف وہابیت کو ایک ناجی مذہب قرار دینے لگے اور صوفیان صافی صفت کو یک بارگی اور بلا اشتنا جو جی میں آیا خطاب دینے میں دریغ نہ کیا......

محمد اصغر حسین

(سہ ممبئی)

تکیہ نامرداں

لیجیے نیچر گڈھ عرف علی گڈھ ..... ادھر ادھر کے متروک الدنیا، مخرج البلد بزرگواروں کا مامن ہو گیا جو صاحب نوکری سے چھوٹے، عہدے سے برطرف کیے گئے، اپنی چراگاہ سے نکالے گئے، سیدھے پو قدر تحیم کی طرف

منہ اٹھائے، آنکھیں مارے خجالت کے بند کیے سرسید کے قدوم نیچریت لزوم
کی بو سونگھنے علی گڈھ کی طرف بھاگے چلے آتے ہیں، اور آتے کے ساتھ ہی
آؤ دیکھا نہ تاؤ دکھنی کمائی کا گٹھر کاندھے سے اتار، پس پشت رکھ بسترا
لب سڑک جما، مسافروں کو حقہ پانی دینے والوں کی طرح اپنی معزولی کو قوم
کے تنزل کے ساتھ مدغم کر کے وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر
کی تفسیر قصہ شاہ روم کے پیرایہ میں اونچے سروں میں لگے الاپنے مولوی انتصار
جنگ جس آؤ بھگت کے ساتھ نکالے گئے سب پر ظاہر ہے کسی نے نصر منیعاً
فمو مناً کی گردان نہ پڑھی۔ بیچارے ازاں سو رانده ازیں در مانده کٹے
کنکوے کی طرح پتاتے دوسری دفعہ بھی شمال مغرب کی طرف کلیاتے حسب
عادت چھپا کر علی گڈھ میں مدرسۃ العلوم کی عمارت پر آگرے۔ انتصار جنگی دم چھلا
دکن کی طوفانی ہوا میں بچ کر وہیں رہا۔ یہاں خالی خولی مشتاق حسین ہو کر
پہنچے۔ خیر صحیح سلامت آئے جان بچی لاکھوں پائے۔

دوسرا نمبر محسن الدولہ نواب مہدی علی خاں منیر نواز جنگ کا تھا۔
تیسرے نمبر میں ہمارے مولوی الطاف حسین حالی، یہ بھی سنا ہے علی گڈھ میں
آپڑیں گے یا آپڑے۔

سب سے بڑھ کر تاسف کی خبر یہ ہے کہ سید محمود بہادر سے بیرسٹر سر کے
پیرزادے چیف جسٹس وغیرہ کے تظلم سے اکتا کر ہائی کورٹ کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

(۲۰ جولائی)

۱۰ اگست کی اشاعت میں صوبہ بہار پر فیچری کانفرنس کا نا کامیاب
جلسے کے عنوان سے لکھا ہے:

" پہلے پہل سرسید احمد خاں صاحب نے جس نیک نیتی سے ایجوکیشنل کانفرنس

کی بنا ڈالی تھی اس سے کم و بیش تمام واقف کار اور باخبر لوگ واقف ہیں۔ انھوں نے اپنے ذہن میں گویا نیشنل کانگریس کا جواب دیا تھا اور ان کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کا خیال ان کے تعلیمی مشاعرے کی طرف بٹ جائے۔ اور وہ نیشنل کانگریس کی طرف متوجہ نہ ہوں۔۔۔۔۔"

اس کے بعد بہار میں ہونے والی مجوزہ سالانہ کانفرنس کے سلسلے میں لکھا ہے کہ بہار میں عام طور سے مخالفت ہو رہی ہے۔

راقم

کوئی اللہ کا بندہ

۱۸۹۸ء

سرسید کے انتقال کے بعد کی ایک تحریر۔

ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے

مری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے

بے چارے سرسید احمد خاں صاحب بتقاضائے فطرت راہی عالم بقا ہو گئے۔ مگر ناقدرداں حضرات ابھی تک ان کو برا بھلا کہنے پر تلے ہوئے ہیں ارے صاحب مرنے کے بعد تو بروں کو بھی اچھا کہہ کر ان کی مغفرت کی دعائیں مانگتے ہیں۔ مگر برعکس اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اس بے چارے کی شکایت شیطان کی آنت ہو گئی ہے۔ نہ آج ختم ہوتی ہے نہ کل۔

ہماری رائے میں تو اب ان کی پچھلی غلطیوں سے چشم پوشی کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مذہب کے بارے میں جو رخنہ اندازیاں انھوں نے کیں ان کی نسبت کچھ کہنے سننے کا ہمارا منصب نہیں۔ جس کا مذہب ہے وہ آپ سمجھ لے گا۔ ہم کو اب دخل در معقولات سے کیا حاصل۔

انصاف کے یہ معنی ہیں کہ ان کی خدمات کا تذکرہ کیا جائے جو انھوں نے قوم و ملک کے ساتھ کی ہیں۔

اے مرحوم سید تیری ہڈیاں پھولوں میں رہیں۔ تو جنت میں حوروں سے ہم آغوش ہو۔ تیری روح بلبل بن کر بہشت کے مثمر درختوں پر چہچہائے اور قمری بن کر قدس سرہ پڑھے۔ درخت طوبیٰ پر تیرا آشیانہ ہو۔ تو نے ہمارے ساتھ کئی بڑے بڑے احسان کئے ہیں۔ جو دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ دنیا میں تیری قابل قدر خدمات کے منکر بہت ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی بکثرت ایسے لوگ بھی ہیں جو تجھ کو دعائے خیر سے یاد کرتے ہیں تیرے حسن خدمات ایسے نہیں کہ کسی کا دامن نازاں کو مٹا سکے۔ ہم سچ کہیں کہ تیرا سا حامی، مددگار، جاں نثار، خادم اور ہمدرد قوم دوسرا ملنا دشوار ہے۔ جو اب دعویٰ بھی کرے وہ تیری ہی قائم کی ہوئی مثال پر، اور تیری ہی فیض بخش صحبت کا اثر ہے اے سید! دیکھ قوم تیری یادگار قائم کرنے پر تیار ہے تیری دیرینہ آرزو پوری کرنے کے واسطے خوب چندہ وصول کیا جاتا ہے۔ بڑی بڑی بردیں ملتی ہیں۔ دیکھ تیرا کالج انشاء اللہ بہت جلد محمڈن یونیورسٹی ہو کر ہندستان کی تاریخ میں تیری یادگار بن کر رہے گا۔ اور دنیا میں بہت عمدہ مثال سلف ہلپ کی قائم کرے گا۔

راقم منصف مزاج
ا۔ ع۔ ک

(اودھ پنچ یکم ستمبر ۱۸۹۸ء)

کانگریس اور آزادی کی مانگیں

۱۸۹۲ء

۸ رجون کے پرچے میں "من نہ کردم شما حذر بکنید" کے قلمی نام سے ۱۸۹۳ء کی آئینی اصلاحات اور اس کے نتیجہ میں امیدواروں کی دوڑ دھوپ سعی وسفارش اور پروپیگنڈے کے سلسلے میں کسی صاحب نے لکھا ہے۔

حضرت۔ میں تو صاف صاف کہتا ہوں۔ مسٹر ہیوم اور ان کے ساتھی کانگرس والوں سے خدا سمجھے' برسوں رات دن، شور غل ہنگام واویلا مچا مچا کر کونسل کے ممبروں کا انتخاب چاہا کئے اور پارلیمنٹ والوں کو کچھ ایسا قائل معقول کیا کہ وہ حقوق جتائے، ایسی مصلحتیں سوجھائیں کہ وہاں سے قانون پاس کرا ہی لیا۔ اور انتخاب جاری ہو ہی گیا . . . . مگر ہم پر ایک عجیب عذاب کشمکش کا نازل ہوا ہے۔ اگر ہم کو پہلے سے اس کا شبہ ہوتا تو مردود ہوتا جو مخالفت نہ کرتا۔ افسوس ہے سر سید نے زمانے بھر کی باتیں نکالیں، سینکڑوں اعتراضات جمائے، مسلمانوں کو بھڑکایا، حکام کو اکسایا مگر ایک یہ بات نہ سوجھی کہ بیچارے انتخاب کرنے والوں پر کیسا عذاب نازل ہوگا اور یہ کس مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔

پاکیزہ خیالات

شاگرد اپنے ماسٹر سے

شاگرد۔ حضرت ایک مدت سے میں شورش سن رہا ہوں کہ نیشنل کانگریس

اینٹی کانگریس اور حیران ہوں کہ الٰہی کیا ماجرا ہے " یہ مختلف الاسم کانگریس کیا
چیز ہے۔ کیا عجائب خانہ میں کوئی جانور آئے ہیں جس کا شہرہ بڑے دھوم سے ہے،
جسے دیکھئے لپکتا بھاگتا چلا جاتا ہے۔ ریل کا ٹرین ہے کہ کانگریس کے وساورسے
بوجھل ہو رہا ہے۔ مختلف زبان میں مختلف قوم کے لوگ گلخپ کر رہے ہیں اڈیٹران
اخبارات کالم کے کالم کافروں کے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کر رہے ہیں کوئی ہے کہ
بے جا تعریفوں اور خوشامد سرائی میں بھاٹ بن رہا ہے۔ کوئی ہے کہ موافقت
موافقت۔ خیر خواہی خیر خواہی پکار رہا ہے۔ کوئی مخالفت کی آواز اور انھیں
خیر خواہانِ قوم پر بغاوت کا الزام لگا رہا ہے۔

ماسٹر۔ نہیں میاں تم صاحبزادے پن کی باتیں کرتے ہو۔ ابھی تم
پورے تعلیم یافتہ نہیں ہو۔ لہٰذا تمھاری سمجھ میں یہ باریک باتیں نہیں آنے کے قابل
ہیں۔ یہ کانگریس ایسی چیز نہیں ہے کہ جب تک آدمی پورا مدبر نہ ہو سمجھ سکے۔
نیشنل کانگریس ایک قومی جلسہ کا نام ہے جس کے بانیوں کا غلط زعم یہ ہے کہ ہم نے
اصلاح ملک و باشندگان ملک کے لئے یہ جلسہ قائم کیا ہے اور اس کے ذریعہ
سے ہم ان امور کی اصلاح چاہیں گے۔ جو ملک اور رعایا کے مضر ہیں ـــ اور
دبے ہوئے حقوق کیلئے بھی بحث پیش کریں گے۔ اور بہت سے مقاصد جو نہایت
درجہ نازک ہیں اس میں داخل کر دیئے گئے جن کے سمجھنے انجام دینے کی
لیاقت قوم میں ابھی نہیں آئی ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ایک گروہ عقلا کا اس سے
مخالف ہو کر یہ کہہ رہا ہے کہ ابھی تعلیم یافتگی اس حد کو نہیں پہنچی کہ نیشنل کانگریس
جس کے معنی ہیں وہ باتفاق جمہور قائم ہو کر اپنے مقاصد کو ظاہر کر سکے یا گورنمنٹ
سے مانگ سکے چنانچہ اس فریق نے یہی اینٹی کانگریس کے نام سے ایک جلسہ
قائم کیا اور بڑے زور شور سے نقصانات نیشنل کانگریس کے ظاہر کئے ہیں۔

تم خود ہی انصاف کرو جو خواہش رعایائے ہند کی ہے جن میں مختلف اقوام مختلف مذاہب کے لوگ قصبات میں بھرے ہوئے ہیں۔ اگر گورنمنٹ پورے کر دے۔ تو ہندستان میں کیا حشر برپا ہو جائے۔ دن رات کشت و خون لڑائی جھگڑے، قصہ و فساد ہی ہوا کریں۔ شاید بجائے ایک حاکم کے ضلع کے اگر دس حاکم ضلع بھی مقرر ہوں تو ایک ضلع کا کام نہ کر سکیں۔ ہر چند گورنمنٹ کچھ ایسی بے عقل نہیں ہے کہ ایسے جاہل اور غیر مہذب لوگوں کے خواہشات کو پورا کر دے لیکن یہ عقلا لوگ گورنمنٹ پر ظاہر کر رہے ہیں کہ ملک ہند میں ایسے ناعاقبت اندیش نہیں ہیں۔ جو ایسے بے ہودہ خواہشات میں شریک ہوں۔ البتہ کوئی وقت بعد پوری تعلیم یافتگی کے ایسا بھی آسکتا ہے کہ رعایائے ہند کی یہ خواہش شاید بیجا نہ کہی جائے گی۔

شاگرد: حضرت وہ وقت کب آئے گا اور اس کا انتظار ہم کو کب تک کرنا چاہیئے۔

ماسٹر: وہ وقت جب آئے گا کہ تمام تعلیم یافتہ ہو جائیں اور جہالت کے زنگ آلودہ خیالات ان سے دور ہو جائیں۔ جب تو یہ تعصبات مذہبی اور نفاق اور لڑائی اور جھگڑے کے نقائص اور برائیاں ان کے ذہن میں آئیں گی۔

شاگرد: اس کے واسطے تو جناب کئی صدیاں درکار ہوں گی۔ کیونکہ سو برس سے زیادہ تو گورنمنٹ کی عملداری کو ہوئے لیکن میں ابھی فی صدی دس بیس کو بھی تعلیم یافتہ نہیں دیکھتا ہوں۔ تو یہ کہیئے وہ زمانہ ہمارے وقت میں آنے والا ہی نہیں ہے۔ ہاں سرسید کو ہی عاقبت کے بورے سیٹنے کا بھر وسہ ہوگا وہی اس کا ٹھیکہ بھی لے سکتے ہیں۔ کہ وہ اس وقت کو بھی دیکھ کر جائیں گے۔ لیکن یہ جانشینی خلف الرشید کی بعضے ولی عہدی کے ہم پلہ ہو سکے

ہمیشہ ولی عہد صاحب کو منتظر اور دعائے درازی عمر پدری میں مصروف رکھنے والی معلوم ہوتی ہے۔ یہی ہوگا کہ خود ولی عہد صاحب یا ان کی اولاد سفر سیاحت چرنے چگنے کو چھوڑی جائے اور چندے کھائے۔

ماسٹر:۔ ہاں یہ تو ضرور ہے کہ دیر لگے گی لیکن انصاف کرو قصور کس کا ہے۔ تم اور تمہارے ملک کے لوگ تحصیل علم میں قصور کر رہے ہیں۔ گورنمنٹ اپنی طرف سے رعایا پروری کا حق پورا پورا ادا کر رہی ہے اسکولوں میں لاکھوں روپیہ تمہیں لوگوں کے لئے خرچ کر رہی ہے۔ اور اذن عام دیا ہے کہ امیر غریب شریف، رزیل ہر قوم ہر ملت کے لوگوں کو آزادی دی گئی ہے کہ شوق سے تحصیل علم کریں۔ نہ کچھ اگلی سی تکالیف سفر ہیں جو تمہارے بزرگ لوگ اپنے ذمہ انگیز کرتے تھے، اور تمام سخت محنت اور تنگی میں جس کو اس وقت کی اصطلاح میں طالب العلمی کہتے تھے، بسر کرتے تھے چنانچہ طالب علم کی تنگی مشہور ہے کہ وہی لنگی تھی وہی چادر وہی بستر وہی دسترخوان وہی رومال وغیرہ ہوتی تھی۔ اور پھر استاد شفیق نہیں ملتا تھا اور، ملا بھی تو اس میں جامعیت کہاں ہوتی تھی۔ صرف و نحو مشرق میں پڑھی تو فقہ و اصول و حدیث مغرب میں، کبھی دکن میں منطق حاصل کی تو شمال میں ادب۔ تمہارے یہاں شیخ سعدی جو بڑے صاحب کمال گزرے ہیں فرما گئے ہیں ؎

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم
ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم

غرض اب سب دقتیں اس عادل گورنمنٹ نے ہٹا دیں قصبوں میں شہروں میں حتیٰ کہ دیہات میں بھی کالج، ہائی اسکول وغیرہ سب قائم کر دیئے ہیں۔ اور کیسے کیسے لائق پروفیسر اور پرنسپل اور ماسٹر رعایا پروری سے

بہم پہنچائے تمھیں تو دل و جان سے تحصیل علم میں کوشش کرنی چاہیئے اور گورنمنٹ کے حق میں دعائے خیر۔ لیکن واہ رے ہندستانی بھائی بجائے شکریہ کے ٹٹیا پھوس، دقیانوسی خیال کے سب لوگ سنتے ہیں کہ روس منحوس نے سرحدی چھیڑ چھاڑ شروع کی تو مارے خوف کے پاچیں کھل جاتی ہیں یہ نہیں جانتے کہ اگر خدا نہ کردہ وہ گھڑی آئی تو قیامت کبریٰ قائم ہو جائے گی۔ غدر میں قیامت صغریٰ جو قائم ہوئی تھی اس کا نتیجہ ابھی تک بھگت رہے ہیں۔ بھلا اس سے زیادہ کیا جہالت اور بے عقلی ہوگی۔

شاگرد:۔ حضرت یہ سب درست اور بجا ہے ہم تو اپنی گورنمنٹ کے دل سے دعا گو ہیں بعض بے عقل ایسے بھی ہوں گے جن کا آپ نے ذکر فرمایا مشہور ہے عوام کالانعام، اس کا ذکر ہی کیا۔ لیکن مجھے اس میں تامل ہے کہ عورت کیسے تعلیم یافتہ ہو سکے گی، اور پھر شرفا اور چھوٹی امت سب کی سرکار نے اگرچہ فیاضی سے گرل اسکول بھی قائم فرمائے ہیں لیکن اس وقت اس میں شرفا کی لڑکیاں تو شاید کبھی داخل نہ ہوئی ہوں گی، اور نہ ایسی امید ہے اس وقت کی عبرت خیز حالت جو دیکھی جاتی ہے، اگرچہ اخلاف ہی کی لڑکیاں پڑھتی ہیں، لیکن ان سے ماسٹر اور پروفیسر کوئی بھی نہیں بچ سکتے۔ چنانچہ ایک طبیعت دار میرے دوست نے جوان جوان حسین حسین لڑکیوں کو دیکھ کر ایک برجستہ شعر کہہ دیا۔

به مکتب میرود نوخیز دختر

مبارک باد مرگ نو به ٹیچر

ماسٹر:۔ قہقہہ مار کے تم ابھی ان باتوں کو کیا خاک جانو۔ یہی تو جہالت ہے۔ جب پوری تہذیب ہو گی دیکھ لینا کہ یہی شریفوں کی عورتیں اور لڑکیاں بازاروں میں باغوں میں غیر مردوں کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ دیئے سیر گشت

کرتی نظر آئیں گی۔ کیا یورپین شریف قوم نہیں ہیں۔ پھر ان کی عورات کیونکر پھرتی ہیں۔ نہ خاوند کو بدگمانی ہوتی ہے، نہ رقابت کا رشک، نہ لڑائی دنگا کشت و خون۔ یہ مقتضائے جہالت ہے کہ آئے دن ہندستان میں اس کی وجہ سے کشت و خون ہوا کرتا ہے۔

شاکرہ:۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہندستان کے لوگ ایسی بے حیائی اختیار کریں گے۔ اگر تہذیب اسی کا نام ہے تو میں درگذرا۔ بھلا یہ کیسے دیکھا جا سکتا ہے کہ جورو غیر کا ہاتھ پکڑے اور کبھی پھر غیر کے پہلو سے پہلو ملا کے بیٹھے اور جہاں چاہے چلی جائے۔ اور شوہر صاحب بہادر کھڑے ہوئے منہ دیکھا کریں۔ ہندستانی تو اسی کو برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کی آشنا بازاری رنڈی بھی ان کے سامنے بے موقع مذاق کرے۔ یا ایک کے سامنے دوسرے کو اپنے مکان میں آنے دے۔ چنانچہ کسی نے ایسے ہی موقع پر بگڑ کے کہا ہے ؎

لال کوٹھی ترے کمرے کو بنا دیں گے آج

ماماجی:۔ ہاں سچ ہے حالات موجودہ کو دیکھ کر جن کے خیالات دور بین نہیں ہیں وہ یہی سمجھتے ہیں۔ دراصل یہ سب کم ظرفی اور جہالت ہے تم ہی کہو کہ یہ وحشیانہ حرکات ہیں یا عاقلانہ جب تہذیب آئے گی تو اس کے ساتھ عالی ظرفی بھی آئے گی اور اس قسم کے خرف حرکات اور خرف خیالات جاتے رہیں گے۔

شاکرہ:۔ سبحان اللہ یہ عالی ظرفی کا ہے کو ہے کھلی کھلی بے حیائی ہے معلوم نہیں جس تہذیب کو آپ تہذیب سمجھتے ہیں اس میں شرم و حیا کیوں جاتی رہتی ہے۔ کیا مت پلٹ جاتی ہے دماغ میں خلل آ جاتا ہے جنون ہو جاتا ہے میں تو دیکھتا ہوں کہ اکثر وہ لوگ جو تہذیب یافتہ کہلاتے ہیں مجنونانہ حرکات کرتے ہیں۔

ماسٹر:۔ نہیں صرف خیالات بدل جاتے ہیں۔ جن باتوں کو تم اپنے خیالات سے بے فائدہ عیب سمجھتے ہو ان کو وہ عیب نہیں جانتے تم لوگ ادب اور تہذیب کو بے ادبی اور مجنونانہ حرکات سے تعبیر کرتے ہو یہ سب تمہاری جہالت ہے۔ کوٹ پہننا اس وجہ سے معیوب سمجھتے ہو کہ وہ نیچے دامن نہیں رکھتا۔ اسفل جسم کا ساتر نہیں۔ دامن دار انگرکھے، اچکن، عبائیں، ساتر ہوتی ہیں۔ لیکن دراصل غور کرو تو معلوم ہو سکتا ہے کہ کس قدر اس میں آرام چستی پھرتی کم کپڑے کا خرچ، اور ستر کی ضرورت صرف اس قدر ہے کہ برہنگی دفع ہو نہ یہ کہ اسفل جسم کا نشان اور علامت اور نقش سب معدوم ہے۔ وہ اس حالت میں جب کہ آدمی پاجامہ یا پتلون پہنے ہوئے ہے حاصل ہے تو اس اشراط سے فائدہ۔ بڑی بے تہذیبی پیشاب کھڑے ہو کر کرنے میں کہی جاتی ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ رسم نہیں ہے۔ وہ ڈاکٹروں سے پوچھئے تو معلوم ہو جائے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں کیا کیا فائدے ہیں۔ غرض میں کہاں تک دماغ خالی کروں، سب تمہاری جہالت ہے۔ چنانچہ تم اس وقت بہت سے کھیلوں کو اچھا سمجھتے ہو۔ اور شائق کنکوا بازی، بٹیر بازی، مرغ بازی گنجفہ۔ چوسر۔ شطرنج۔ لیکن جب اپنی ہی مذہبی تعلیم حاصل کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب ممنوعات سے ہیں۔

شاگرد:۔ خیر ان سب کو ہم آپ کے کہنے سے تسلیم بھی کر لیں لیکن یہ تو کسی طرح بھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ عورات کی مخالطت غیر مردوں سے جائز بھی جا سکے کیونکہ یہ دونوں اضداد ہیں بارود اور آگ کی یکجائی اور پھر نہیں بدگمانی کو دخل نہ دینا کسی عاقل کا کام ہے۔ اس معاملہ میں عقلا کا قول کیا ہے آپ نے تو ملاحظہ کیا ہوگا کیونکہ آپ تعلیم یافتہ ہیں عقل کیسے قبول کر سکتی ہے کہ آتش اور

آتش گیر مادہ اور دونوں طرف سے کشش مقناطیسی موجود اور پھر گل نہ کھلے۔

ماسٹر:۔ میاں صاحبزادے یہ خیال تمھارا اس وقت تک ہے جب وقت اس فعل کو عیب سمجھتے ہو جو جہالت کا اثر ہے۔

شاگرد:۔ میں نہیں مانوں گا اب آپ گریز کرتے ہیں اور اصل مطلب کو جو بے اختیار زبان پر آنے والا ہے آپ پھر روک لیتے ہیں صاف صاف کیوں نہیں فرماتے۔ آخر کیا میری تعلیم میں آپ کو کسر رکھنی منظور ہے۔

ماسٹر:۔ نہیں نہیں تعلیم تمھاری پوری منظور ہے لیکن میں ابھی تم میں اتنا مادہ نہیں دیکھتا کہ تم میری تقریر کا مطلب پورے طور پر سمجھ سکو جب اس ڈگری کو پاس کر لوگے جس کو میں نے پاس کیا ہے تو خود بخود منکشف ہو جائے گا۔

شاگرد:۔ ماسٹر صاحب یہ سب صحیح ہے مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ کوئی فری میسن کا راز ہے جس کو آپ اپنی زبان سے نکالتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ لیجئے میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ میں کسی سے بھی نہیں کہوں گا۔

ماسٹر:۔ دیکھو بڑی احتیاط اس میں کرنا۔ تمھاری جہالت پیشہ قوم جو پہلے ہی سے اس امر کو سن پائے گی تو وہ اور بھی تہذیب سے کوسوں بھاگے گی تمھارے ابا جان ممو جان وغیرہ تم سے اسکول ہی چھڑا دیں گے۔ کیونکہ ان کو یہ خیال مذہبی تعصب پر آمادہ کرے گا۔

شاگرد:۔ میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں ایسے عمدہ امر کو جو سینہ بہ سینہ تعلیم یافتوں میں چلا آتا ہے ہرگز افشا نہ کروں گا۔

(اودھ پنچ، مورخہ ۱۲ر مارچ و
۱۹ر مارچ ۱۸۹۱ء)

اکبر الہ آبادی کے مضامین

اکبر الہ آبادی کے یہ مضامین جو بالترتیب، ار اگست ،ار اگست یکم دسمبر اور ۲۹ر دسمبر ۱۸۹۸ء کے شماروں میں شائع ہوئے ہیں۔ اپنے موضوعات کے لحاظ سے بھی اور اس اعتبار سے بھی کہ اکبر کے نوادر ہیں، دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔ پہلی تحریر اردو ناگری پر ہے، دوسری اور تیسری داغ کے شعر پر اور آخری اکبر کے مزاج اور اودھ پنچ کے انداز کی ایک نمائندہ تحریر ہے۔

اردو ناگری

جناب اودھ پنچ صاحب۔ میں نے سنا ہے کہ میر سید علی صاحب بلگرامی نے رائے ظاہر فرمائی ہے کہ ناگری حرف فارسی حروف پر ترجیح رکھتے ہیں اور مسلمانوں میں کمی تعلیم کا باعث یہی ہے کہ فارسی حروف جاری ہیں۔

میر سید علی صاحب بڑے عالم شخص مشہور ہیں بہت سی زبانیں جانتے ہیں بڑے عالم ہونے کا کبھی کبھی یہ نتیجہ بھی ہوتا ہے کہ اس کی ساری قوم بولے بلبل کی بولی، اور حضرت بولیں عنقا کی بولی۔ یہ نہ ہو تو عالم ہونے کا ثبوت ہی کیا ہوا۔ جناب ممدوح کی رائے پر کچھ اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ مسلمانوں میں علماء کی کمی اس سبب سے ہے کہ بہت پڑھنے کی شرط لگائی گئی ہے۔ صرف پڑھو، نحو پڑھو، منطق پڑھو، معانی پڑھو، بدیعہ پڑھو، فقہ پڑھو، حدیث پڑھو، تفسیر پڑھو، تاریخیں پڑھو،

ادب جانو تب عالم کہلاؤ۔ وہ بھی بشرط حسنِ عمل۔

دہی کورس جو پاٹھ شالوں میں مقرر ہے کیوں نہ کافی سمجھا جائے۔ پچیسا۔ چھبیسا۔ ستائیسا۔ اس میں کیا کچھ کم برکتیں ہیں۔ اگر کچھ کسر رہ جائے تو ملک محمد جائسی کی پدماوت یاد کرا دی جائے۔ ابیات پر پورا عبور ہو جائے بلغت دانی کے لئے یہ کیا جائے کہ بتا دیا جائے کہ بیل کو فارسی میں یہ کہتے ہیں، جرمن میں یہ کہتے ہیں۔ بآسانی زیادہ علماء پیدا ہو جائیں۔

داغ و میرا

فاقوا ابر ہانکم،" ازم ک" نے ماشاء اللہ خوب مضمون لکھا ہے۔ انھوں نے جو محاورات تصنیف کئے ہیں، وہ ان لوگوں کے لئے سبق ہیں، جو محاورات کے استحکام اور ان کی نزاکت سے آگاہ ہونا چاہیں۔

اس سلسلے میں بعض ضروری باتوں کے عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ حضرت داغ کے استاد ہونے میں شک نہیں۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہم لوگ اپنے شعراء اور اپنے اہل کمال کی قدر نہیں کرتے یا ان کا ادب اور ان کی عزت نہیں کرتے، یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی استاد کے کلام پر اعتراض کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ معترض کے نزدیک وہ استاد نہ رہا۔ کون ایسا استاد گزرا ہے جس کے کسی ایک شعر پر بھی اعتراض نہ ہوا ہو۔ لیکن اس سے کیا اس کی استادی جاتی رہی، ہرگز نہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اشعار پر اعتراض کر دینا بہت سہل ہے۔ خصوصاً جب کہ صحت الفاظ و ترکیب نحوی کو چھوڑ کر

بہ لحاظ معنی و مفہوم کے شعر پر نظر کی جائے۔ ہر شخص کا مذاق و طرز خیال جداگانہ

ہے۔ شاعر کا خیال آخر ایک رخ رکھتا ہے۔ معنی کے پہلو اس قدر زیادہ ہوتے ہیں کہ ان کا حصر دشوار ہے۔ یہ بات اس سبب سے پیدا ہوتی ہے کہ عموماً مجازی معنی الفاظ کے لیئے جاتے ہیں۔

پس ہم حضرت داغ کا اس حیثیت سے کہ وہ ہمارے ملک اور زبان کے ایک نامور اور نہایت ذہین شاعر ہیں نہایت ادب کرتے ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نے اپنی استادی کو مدت سے ملتوی کر رکھا ہے۔

حسن زبان اور حسن خیال دونوں کے امتزاج سے عمدہ شعر پیدا ہوتے ہیں انھوں نے حسن زبان کی دھن میں حسن خیال سے بہت کچھ قطع نظر کی ہے اور حسن زبان کو اس قدر روندا ہے کہ غالباً زبان ہی رہ گئی ہے حسن جاتا رہا ہے۔

اسی پر اودھ پنچ کے نامہ نگار نے یہ مقطع کہا ہے ؎

جناب داغ سے نسبت ہے کیا مجھے...

میں بات کہتا ہوں اور وہ زبان کہتے ہیں

(مصنف کا جو کچھ مطلب ہو ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ زبان ہی زبان ہوتی ہے۔ کوئی بات نہیں ہوتی۔)

حضرت داغ کی طرف سے بہت کچھ معذرت ہو سکتی ہے کہ ہمارا مخاطب اسی طرز سخن پر بھڑک جاتا ہے، ہم کیوں نہ اسی رنگ کو شوخ کریں لیکن معترض کی تسکین کو یہ جواب کافی نہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ ردیفوں کا چمکنا اور نہایت بے تکلف طور پر ان سے معنی کا پیدا ہونا۔ اور ان کا بامحاورہ ہونا مقبولیت شعر میں نہایت درجہ موثر ہے لیکن درحقیقت ردیفوں ہی کو چمکا کر داد لینا اور اسی پر قناعت کرنا اور زبان کے ٹکڑوں پر بسر اوقات کرنا دلیل اس بات کی ہے کہ شاعر عمدہ خیالات

اور بلند مضامین پیدا کرنے سے عاجز ہے۔ وہ دلوں کو بے چین نہیں کر سکتا۔ ان کو
لٹریری تعجب ہی میں محو کیا چاہتا ہے۔ وہ چمن نہیں کھلا سکتا، آتش بازی چھوڑ سکتا ہے
ہم سمجھتے ہیں یہ بھی ایک رنگ کا کامل بھی استادی کا مستحق ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ
خیالات رکیک اور نیچری واقعات کے خلاف نہ ہوں اور زبان صحیح اور پاکیزہ اور
بامحاورہ ہو۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہم صرف حسن خیالات یا خیالات مفیدہ کے
طرف دار ہیں۔ ہرگز نہیں۔ شاعری کالج یا مدرسہ کا سبق نہیں ہے۔ دنیا آنکھوں
کے سامنے ہو۔ نازک اور بے چین دل پہلو میں ہو۔ لطیف اور رنگین خیالات
ہوں۔ طرز بیان دل کش ہو۔ یہ باتیں شاعری کی ہیں۔

ہمارے مولانا حالی بھی کسی زمانے میں اچھے شاعر تھے لیکن اب حضرت
نے حسن خیال کی دھن میں حسن زبان سے قطع نظر کی ہے۔ اور حسن خیال کو اس قدر
روندا ہے کہ حسن جاتا رہا۔ خیال ہی خیال رہ گیا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ میں نے جو کچھ عرض کیا ہے نہایت مجمل ہے مثالوں
سے اثبات و توضیح چاہیئے۔ انشاء اللہ اس کی کوشش کروں گا۔

داغ و ہیرا

عزیز بھائیو ۔۔۔ اب ہیرے کی کنی کی بحث چھوڑو۔ جو اس شعر کو بے داغ کہتے
ہیں۔ ان پر کچھ الزام نہیں ہے۔ اردو شاعری ایسی ہی ہو گئی ہے۔ اور داغ کا
یہی رنگ ہے۔ بلکہ سامعین کا یہی رنگ ہے۔ جو اس شعر کو ناپسند کرتے ہیں
ان پر زبردستی نہیں ہو سکتی۔ کہ خواہ مخواہ پسند کریں۔ زبان اور محاورات
اور اصول بلاغت کی نسبت بہت کچھ بحث کی گنجائش ہے۔ شعر کا یہ مطلب
ہے کہ ہم رونا ضبط نہیں کر سکتے۔ ورنہ مر جائیں گے۔ اگر کوئی پوچھے کہ

پھر مر جائیے گا۔ تو کیا حرج ہے؟ مرنے سے احتراز اور خوف عشق کی شان نہیں ہے جواب ہوگا کہ وصل کا انتظار ہے، اس کی امید ہے، سوا اس کے اور بھی بہت سے مشاغل ہیں۔ ازاں جملہ تعشق بھی۔ اس وجہ سے مرنا منظور نہیں۔ اور خودکشی شرعاً ناجائز ہے۔ اور سوبات کی یہ بات ہے کہ اپنا اپنا مذاق ہے کسی کو مرنا منظور کسی کو مرنا نہیں منظور۔ محتاط آدمی عشق میں ایسی تکلیف کیوں اٹھائے کہ مر جائے۔ اس جواب کا کچھ جواب نہیں ہو سکتا۔ بجز اس کے کہ ہم کو یہ مذاق پسند نہیں۔ اچھا آپ کو پسند نہ ہو۔ خاموش رہیئے۔ کیا استادوں کے تمام شعر ہر ایک کو پسند ہوتے ہیں؟

حضرت دل جن کا آخری فقرہ طعن آمیز ہے، اس کے سوا ان کی ساری تقریر تہذیب اور عمدگی کے ساتھ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کی صحت تسلیم نہ کی جائے۔

(اودھ پنچ، مورخہ یکم دسمبر ۱۸۹۸ء)

مکرمی کی فتنہ انگیزی

ایک عنایت فرما جن کی خدمت میں مجھ کو کچھ بہت زیادہ نیاز حاصل نہیں ہے۔ مجھ سے ناخوش ہو گئے ہیں۔ اگرچہ میں بے قصور ہوں۔ اور میرے لائق دوستوں نے جناب ممدوح سے ظاہرا میری صفائی کر دی ہے۔ لیکن ہنوز ان کو اطمینان نہیں ہوا۔ حالت یہ پیش آئی کہ جن دوست کے ہاں صاحب موصوف مقیم تھے ان کو میں اکثر رقعے لکھا کرتا تھا اور ان میں اپنے دوست کو بہ لقب مکرما مخاطب کرتا تھا۔ اور یہ بزرگوار بھی ان رقعوں کو دیکھا کرتے تھے ایک دن ایک خاص موقع پر میں نے جناب ممدوح کو ایک رقعہ لکھا اور بلا ارادہ بہ لفظ مکرمی خطاب کیا۔ پہلے سے بھی ان کی نسبت بعض احباب کا خیال کچھ اور تھا۔

اور وہ اپنا درجہ ثابت رکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ ذرا اس بدگمانی کو ملاحظہ فرمایئے
بکری کو بکرا کی مادہ سمجھے جیسے طرح بکرا بکری۔ اسی طرح انھوں نے بکرا بکری کو
خیال کر کے سمجھا کہ میں نے ان سے دل لگی کی ہے۔ اب لوگوں سے میری شکایت شروع
کی۔ لوگ بھی دل لگی باز۔ انھوں نے اور بھی ان کو برہم کیا۔ جب مجھ کو اطلاع ہوئی
تو میں نے ہنسنا ملتوی کر کے احباب کے ذریعہ سے ان کی خدمت میں التماس کیا۔
کہ وہ الف ندا ہے اور یہ یائے متکلم ہے۔ الف اور ی پہ وہ اور بگڑے۔ اب میں
حیران ہوں کہ کیا کروں تعلیم کی کمی سے یہ خرابیاں پیدا ہوئی ہیں بہرکیف میں پھر
اس تحریر کے ذریعہ سے ان کو یقین دلانے کی کوشش کرتا ہوں کہ بکری کی ہی بکری
والی نہیں ہے۔"

اودھ اخبار، نول کشور اور سرشار

۱۸۹۱ء

سوال

جناب اودھ پنچ خاں صاحب السلام علیکم۔ آیا لکھنؤ شما "نول کشور" شہرے
مشہور است امیر کابل بذریعہ فہرست بمبئی کتابے طلب کرد بعد مطالعہ اش روزے
بایں احقر فرمود کہ " ببینید ایں کتاب مطبوعہ کشور نول" است، من ہیچ نہ فہمیدم
و سکوت ورزیدم۔ ایشاں دوبارہ گفتند۔ عرض کردم کہ "نول" چہ فرمودند کشور
نول کہ ہندوستان است عرض نمودم کہ نول نام شہرے نیست و گاہے نشنیدم
و ندیدم امیر صاحب از حد افروختند و کتاب را برہم زدند پیش چشم آوردہ گفتند بہ ایں
شہریت "نول" یابند۔ ترسیدم و شنیدم کہ بغرض سوال "نول کشور" شہر ست یا ملتی

یعنی چہ، اے بندہ نواز۔ امیر صاحب را خیلے غصہ آمد و رنگ ہر دو رخسارہ سرخ شد بکمال کرختگی آواز و بختگی صوت کریہہ گفتند، منشی منشی منشی نیست، منشی است، (یعنی نشہ کنندہ) کشور منشی بچہ طور خواہد شد۔ من از سابق زیادہ ترسیدم و بہ لہجہ خائفان بکمال ادب سر خم کردہ و چشم بستہ گفتم کہ اگر لفظ منشی برائے شہر مناسب و موزوں نیست پس منشی نیز ہمیں حکم دارد۔ کشور منشی بچہ طور خواہد شد اے حضرت غضب بہ غضب آوردہ غصہ بر غصہ افزود۔ امیر صاحب بسیار آشفتند و گفتند کہ ایں صفت مطبع واقع شدہ یعنی مطبع منشی ہست، بسبب صرف سیاہی دود چانڈو کہ در مطابع ہندوستان بکثرت خرچ می شود۔ بہ مجبوری از خوف جہالت و سوءِ ادب درست و بجا گفتم و اقرار فہمیدن نمودم مگر بسر شما اطمینان ما نشد لہذا بہ ہزار آرزو ملتمس و مستدعی می شوم کہ آیا آنچہ امیر ما گفت صحیح و بجا است و نول کشور شہر بیست یا ہم لکھنؤ شما است؟ از راہ عنایت جواب جلد از جلد مرحمت فرمائید و مرا از خلفشار واہیات احسان عظیم خواہد شد۔ زیادہ چہ تکلیف دہم۔

راقم

نیاز مند جدید۔ عبد المجید (اودھ پنچ) ۱۹ر فروری ۱۸۹۱ء

۱۸۹۳ء

۱۹ر اکتوبر کے اودھ پنچ میں:

کامنی

"ہمیں پورا یقین ہے کہ اس پیارا نام کے عنوان سے عاشق مزاج شاہد باز بزرگواروں کی نظر اس مضمون پہ ضرور فوراً پڑے گی۔ یہ ایک ناول کا نام ہے۔ جو رتن ناتھ صاحب سرشار لکھنوی سابق نامہ نگار اودھ پنچ و لبعد ایڈیٹر پنیا اخبار

نے حال میں تصنیف کیا ہے۔ خدا جانے انھوں نے کیا جاتی دنیا دیکھی کسی انیے بنیے
کے ہاتھ اس ناول کو اونے پونے نہ پٹیل ڈالا۔ اب کی ان کا قصد ہے کہ خود
چھپوائیں اور حق تصنیف بنیے کی گون یا کھاری کنویں میں نہ پھینکیں کسی بڑے گرو
نے سمجھائی ہے بارے شکر ہے کہ صبح کا بھولا شام کو تو گھر آیا۔ اس ناول کی خریداری
کی درخواستیں مسٹر حامد علی خاں بیرسٹر ایٹ لا کے نام لکھنؤ توپ والی کوٹھی کے پتے
سے بھیجی جائیں۔"

اس پر سرشار نے ۱۶ر نومبر کے پرچے میں لکھا:

"ڈیر پنچ۔ میرے نئے ناول کامنی کی نسبت جو مضمون آپ نے شائع
کیا اس کا شکریہ۔

شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو

اور میں نے جواب تک شکریہ ادا نہیں کیا تو

عذر تقصیرات ما چنداں کہ تقصیرات ما

کامنی بی کامنی جس کامنی ــ جو نام رکھیئے وہ اس پریا کے لئے موزوں
ہے۔ اور پدمنی عورت کے معنی ہی یہ ہیں کہ ساری اور کرتی پہنا دو تو بھی جوبن پھٹے
پڑے اور دوپٹے پائجامے اور محرم آب رواں میں بھی پری کو شرمائے۔ اور گون
اور شمی اور اسکرٹ میں خاص الخاص فرنگن معلوم ہونے لگے۔ جامہ زیب۔

ہاں خوب یاد آیا۔ یہ آپ آئے دن بنیوں پر کیوں منہ آجایا کرتے ہیں۔
اول تو بنیا جو ۲ آنا دال نون تیل لکڑی بیچے۔ کسی رئیس کو منہ سے بنیا کہنا لیتی چہ۔
دوسرے بندہ نواز اگر بنیے نہ ہوں تو کال کے زمانے میں تو بہ ہی کھلی ایک اور کال
پڑ جائے۔ خدا کرے آپ کے گود گنج سے بیٹے کچھ دن کے لئے دکانیں ایک سرے سے

بند کر دیں پھر حضور کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے۔ آنتیں قل ہو اللہ پڑھنے
لگیں۔ دو اور دو چار روٹیاں بتائیے۔ اگر اخبار کا نام قومیت کے لحاظ سے رکھا
جائے تو بھار گو اخبار کہیے۔ یہ بنیا اخبار کیا معنیٰ۔ ورنہ اب ہم بھی اودھ پنچ کے
عوض مسخرے پنچ کہیں گے۔ یوں تو یوں ہی ہی۔ ہم بھی سوم نیک ذات میں ہیں۔
(یعنی کشمیری) بات تیرے کی جب دیکھو بنیوں پر آوازہ۔ سنتے سنتے کلیجہ پک گیا
لاحول ولا قوۃ۔

کجا بود منزل کجا تاختم

درازنفسی معاف

کامنی ناول کے قدر دانوں کا بھی گئے ہاتھوں شکریہ ادا کر دیجئے اس
ناول کا مختصر سا انتخاب انشاء اللہ ہدیۂ ناظرین اولی الابصار کیا جائے گا۔ درخواستیں
مسٹر حامد علی صاحب کے نام بھجوایئے دیر نہ کیجئے اس ناول میں وہ جدتیں ہیں کہ پھڑک
جائیے گا۔ راقم۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار لکھنوی
لکھنؤ ۲۹ نومبر

متفرقات

رسالہ ناول کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوتے لکھا ہے کہ رسالہ مذکور
یکم جنوری ۱۸۹۳ء سے شائع ہوتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ انگریزی ڈھنگ
کے اوریجنل ناول ماہوار رسالے کی صورت میں شائع کئے جائیں —
(مالک منشی جے نرائن ہیں)۔

توکار زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

دلگداز کو ہم نہیں کہتے کہ بقول خود اردو لٹریچر میں نئی روح پھونکے
..... اس کے لئے وسیع میدان ناول اور دل چسپ خانہ ڈرامہ موجود ہے لیکن
ــــ..... ماہ جون ۱۸۹۳ء کے پرچے میں امیر معاویہ کا فتح قسطنطنیہ کے لئے
فوج بھیجنا، اور اس کے محاصرے میں حضرت حسین کا ماتحتی یزید شرکت کرنا کس
آب و تاب اور بلند پروازی کے ساتھ لکھا گیا ہے جو سراسر عقلاً و نقلاً غلط ہے...."
"سید الفت علی اثیمی. لکھنؤ" (۲۰ جولائی ۱۸۹۳ء)

۱۹ر نومبر کے پرچے کے ایک مضمون کا عنوان.

"ہوں گے جب ہوں گے حضرت یوسف
آج تو آپ کا جواب نہیں"
لکھنے والے ہیں نقی مجلسی"

۱۸۸۵ء کے فائل میں شوق قدوائی کی طرف سے اخبار آزاد کا اشتہار ہے۔

۱۸۸۶ء میں بھوپال پر ایک شذرہ ہے۔ نظام دکن کے نام کھلے خط ہیں جن
میں سے کچھ ۱۸۸۵ء میں آ چکے ہیں۔ عورتوں کی آزادی کی مانگ پر ایک دل چسپ
شذرہ ہے۔ جس کا عنوان مجھے بہت پسند آیا۔ "بلبل بھی بولتا ہے تو صیاد کی طرف"
ایک جگہ شوکت ہند پر تبصرہ ہے۔ اور تبصرے کا یہ انداز بہت ہی پیارا ہے۔
"یہ وسیع دو ورقہ اخبار بمبئی سے شایع ہوتا ہے اس میں کوئی نئی بات نہیں جیسے
اردو اخبار ہوتے ہیں ویسا ہی یہ بھی ہے ؎

دندان تو جملہ در دہانند
چشمان تو زیرِ ابروانند"

۲۹ر اپریل اور ۱۳ر مئی کے شماروں میں بالترتیب پنڈت بشن ناتھ در اور

مہاراجہ دلیپ سنگھ پر مضامین ہیں۔

۲۶/ اگست کے پرچے میں ٹیکس کے خلاف جو مستقل مہم جاری تھی اس سلسلے میں کچھ دوہرے ہیں۔ دوہرے مزے کے ہیں، اس لئے سن لیجئے۔ یہ کسی صاحب آر (R) کے کہے ہوئے ہیں۔

لارڈ ڈفرن کے راج ماں بھی ٹیکس کی بھرمار
ہم کا ایسا ڈفانٹر (ڈفاوان) سے بچائیو کرتار
پیا ڈفرن سے جا کہیو اتنا سندیس ہمارا
رہا پیا تو موس چکے اب ٹکیو گھر بار
پہلے پہل موروثی کنہیا (دیا) اب دین ٹیکس کی بھرمار
دیکھیو ہمرے سیرن سے جائے نام تمہار
رہا سہا گھروا ہارا ہے دیو (ضبر) ٹکیو ہمار
پیا ڈفرن واہ بانن پر ہیں تو ہی بلہار
روئے روئے کہیں پنچ سے یوں مٹر آر
ہم جانت ہیں کو ڈفتن سے بچے نا جان ہار

اسی ٹیکس کے چکر میں ۹/ ستمبر کو طاہر بجنوری نے ایک شذرہ لکھا تھا اور اس میں بھی پرانے شعر کی ایک دلچسپ پیروڈی کی تھی۔

فکر امیر، الفت رشید، خیال ٹیکس
(انگلستان) (روس)
اس پنج سالہ عہد میں کیا کیا کرے کوئی

۱۸۸۶ء

ایک پرچے ۲۷/۱۸۸۶ء کو اودھ پنچ کے ایک "خفیہ نگار" نے مسٹر سن ستیاناسی کا خطاب دیا ہے۔ (۱۷/ مارچ)

۱۸۸۷ء کے ۲۴؍ مارچ اور ۳۱؍ مارچ کے شماروں میں ایک دیوان بلکہ" دیوان کے بچہ" پر تفصیلی تنقید چھپی ہے۔ لکھنے والے منصف لکھنوی اور عنوان ہے:" اسے خدا ابتدائی شاعری کو اٹھالے"۔ اس میں ۸۶ اشعار کا اس طرح پوسٹ مارٹم کیا ہے کہ فلاں لفظ بھرتی کا ہے"۔ ذراسی توجہ سے بدل سکتا تھا" تراکیب کے بے ڈھنگے پن پر اعتراض کیا ہے۔ بعض الفاظ کی کسی شعر میں کمی پڑ جاتی ہے تو ان کی طرف اشارے ہیں۔ حشو و زائد بتلائے ہیں۔ اور اسی قسم کے بہت سے عیوب بتائے ہیں۔ اس مضمون سے اس زمانے کے ان معیاروں کا بڑی خوبی سے پتہ چلتا ہے کہ شعر کے نقائص کیا کیا سمجھے جاتے تھے۔ اس عہد کی لکھنؤ اسکول کی تنقید کو سمجھنے کے لئے یہ اچھا خاصا نمائندہ قسم کا مضمون ہے۔

۲۸؍ اپریل ۵؍ مئی ۲۶؍ مئی ۲؍ جون اور ۱۱؍ اگست کے شماروں میں "معاملات حیدر آباد دکن" پر ایک مضمون ہے۔

۷؍ جولائی ۱۸۸۷ء کے شمارے میں ریاست رام پور کے مدار المہام جنرل اعظم الدین خاں کے حسن انتظام پر ایک تحسینی نوٹ ہے۔ (یہ بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ ۱۸۹۱ء کے اودھ پنچ کے متعدد شماروں میں جنرل کی شہادت کے بعد اس کے مقدمہ کی تفصیلات میں جتنا اودھ پنچ نے دلچسپی لی اتنا یا اسکا عشر عشیر بھی کسی اور جگہ نہیں دیکھی گئی)۔

۲۹؍ ستمبر کے پرچے میں ایک خبر کا عنوان اس طرح لکھا ہے کہ "نیبو (لیمو) مہنگے ہو گئے"، نیبو بھی لکھا ہے اور بریکٹ میں لیمو بھی لکھا ہے۔ اور ۲۴؍ نومبر کے پرچے میں ایک عنوان ہے۔" مخالص انصاف" مخالص خالص کے لئے روہیلکھنڈ والوں کے بقول پشتو کا لفظ ہے۔ اسی طرح لیمو کے لئے نیبو لکھنؤ میں بھی بولا جاتا رہا ہے یہ دلچسپ بات ہے۔

مثیل حضرت عیسیٰ ابن ..... ہو پیدا
عدو دجال سر سید عجیب الشان ہو پیدا

اجی حضرتنا واوستادنا مولانا او وددینج. تسلیم. سواد سوڈان سے صدائے انا المہدی الموعود اور ایلیا کا لج سے آواز انا المسیح الدجال تو غلغلہ انداز چار دانگ عالم تھا ہی تھا اب مملکت پنجاب کے ایک کھنڈر سے دلولہ انا المثیل المسیح بڑے زور شور کے ساتھ امنڈ اٹھا ہے۔ خدا ہی خیر کرے رہے سہے یاجوج روس منحوس وہ بھی بمصداق خبر مخبر صادق یبعث اللہ یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون فیمر اوائلھم علی بحیرۃ طبریۃ فیشربون ما فیھا کے دندناتے اور تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے چلے آرہے ہیں بحرۂ طبریۂ اٹک واقع پنجاب بھی ان کی آتش تشنگی بجھانے کو قریب ہی لہلہا رہا ہے اور پیر ان مسیح بھی ان کے مقابلہ کو دست بقبضہ ہیں اور من کل حدب سے مراد روب کابل وکشمیر اور نیپال اور سواد سمندر وغیرہ وغیرہ ہے۔ الغرض آثار کبریٰ تو سب کے سب ظاہر ہی ہیں قیامت کے آنے میں بھلا اب کس کو شک و شبہ واقع ہوگا۔ ہر کہ شک آرد کافر بود۔ ان دنوں ایک بزرگوار جن کا نام نامی و اسم گرامی مولوی غلام احمد صاحب قادیانی ہے بڑے مضبوط دعوے کے ساتھ اپنے آپ کو مثیل مسیح قرار دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ فقیر حقیر کو بذریعہ الہام منجانب ملک العلام اس بات کا یقین دلایا گیا کہ فقیر مثیل مسیح ہے۔ اور پھر اس پر طرہ کہ کتب اربعہ سماوی مصدق فقیر ہیں۔ اور اگر آئندہ از روئے عقائد اہل اسلام کوئی اور بھی مثیل آنے والا ہو تو وہ بھی غالباً میری ہی ذریت سے ہوگا۔ اور عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام

کا انتقال ہو گیا ان کی روح پرفتوح اعلیٰ علیین پر فردوس بریں کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں کھا رہی ہے اور ان کی موت قرآن و حدیث سے بروایت ابن عباس ثابت کرتے ہیں۔ چلو سارا قصہ بکھیڑا فرو ہوا الوہیت کا دعویٰ رہ گیا وہ بھی عنقریب ہوا جاتا ہے۔ قرآن پاک اور حدیث صاحب لولاک اور دیگر کتب اربعہ سماوی ہیں جن کی زبانی حوالہ سے مولانائے موصوف اپنے دعوئ عیسویت کو ثابت اور مضبوط کرتے ہیں کہیں مثیل کی آج تک خبر نہیں پائی جاتی اور بندۂ درگاہ کے نزدیک تو لفظ مثیل ایک ظاہری اوٹ ہے۔ اور دراصل مولانا مدعی عیسویت بن بیٹھے ہیں اور جناب مسیح علیہ السلام کو مفت بے موت مارے ڈالتے ہیں۔ اور اپنے ظہور کی سند ربانی کتب اربعہ سماوی سے ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک میں اللہ جل جلالہٗ نے صاف طور پر ارشاد فرمایا ہے۔ وما قتلوہ وما صلبوہ ولٰکن شبہ لہم اور آگے چل کے فرماتا ہے یقیناً۔ رفعہ اللہ الیہ دوسری یہ کہ احادیث نبوی میں حضرت عیسیٰ کا آسمان چہارم پر موجود ہونا اور حضرت مہدی کے وقت میں بغرض انتقام دجال بدمآل کا دنیا میں نزول فرمانا پرخوبی متحقق ہے جو شخص ذرہ برابر ایمان رکھتا ہوگا کبھی انکار نہ کرے گا۔ اذ بعث اللہ عیسیٰ بن مریم فینزل علی المنارۃ البیضاء الشرقی دمشق مہرودتین واضعا کفیہ علی اجنحۃ الملکین اب دمشق سے مراد اگر پنجاب کے نواح کا کوئی کھنڈر ہے تو اور آثارات اور واقعات کی نسبت مولانا کیا فرماتے ہیں۔ اور قرآن و حدیث وغیرہ وغیرہ میں جہاں کہیں ذکر ہے تو عیسیٰ بن مریم کا ہے نہ قادیانی صاحب کا۔ ایلو میاں مسٹر سرسید تمہارے دشمن جانی نے اجلال فرمایا اب اپنے اور اپنے پیروؤں کی جان کی حفاظت کیجئے۔ کیا آپ نے مخبر صادق کا قول نہیں سنا بشرطیکہ قادیانی صاحب اپنے دعوے میں سچے ہوں (فینزل عیسیٰ بن مریم فامّہم فاذا راٰہ عدو اللہ ذاب کما یذوب الملح فی الماء فلو ترکہ لا نذاب حتیٰ

بیشک دلاکن یقتلہ بیبادہ ویدیلیہ ومدہ قریبسلے اب حضرت قادیانی صاحب سے صرف اس قدر پوچھنا چاہتا ہوں کہ جناب مسیح علیہ السلام کا کس تاریخ اور کہاں اور کس مقام پر انتقال ہوا۔ اور مثیل کس جانور کا نام ہے اور والدہ کا کیا اسم مبارک ہے اور کتب اربعہ سماوی میں کس مقام پر آپ کا ذکر خیر ہے۔ ذرا مہربانی فرما کر ان سب باتوں کا جواب ارشاد فرمایئے۔ غالباً ہماری سرکار گورنمنٹ بھی آپ کے اس بے دلیل دعویٰ کو قبول نہ فرمائے گی۔

راقم:- ایک سچا مسلمان از دکن

(اودھ پنچ مورخہ ۱۶ر اپریل ۱۸۹۱ء)

۱۸۹۲ء

۴ر فروری کے پرچے میں حکیم محمود خاں کے انتقال پر تعزیتی نوٹ ہے انتقال ۲۲ر جنوری کو ہوا۔

۲۵ر فروری کے پرچے میں لطیفہ کے عنوان سے احمد حسن عرشی رامپوری کا ایک خطرناک طنز چھپا ہے۔

• ایک خانساماں سے برتنوں کی الماری گر پڑی۔ آواز سے میم صاحبہ کی آنکھ کھل گئی۔ فوراً خانساماں کو بلایا۔ نہایت بد دماغ تھیں کہنے لگیں کہ تم سُوَر ابھی جہنم کو جاؤ۔ خانساماں متقاضائے وقت دیکھ کر کچھ نہ بولا اور چپ چاپ گھر کو چلا گیا۔ ایک ہفتہ بعد خانساماں پھر روبرو میم صاحبہ کے گیا اور کہنے لگا۔ غریب پرور میں نہایت دشواری اور جانفشانی سے جہنم تک پہنچا لیکن وہاں پر گوروں کا سنگین پہرہ جو باہر کھڑا تھا اس نے مجھے ٹوکا۔ اندر جانے سے روکا۔ میں نے کہا کہ میں ہرگز ہرگز نہ مانوں گا۔ میم صاحبہ کا حکم کیونکر ٹالوں گا۔ اس نے یہ سن کر اپنے افسر

کو اطلاع دی جو اندر سے نکلا اور کہا۔ کیوں کر آیا ہے؟ میں نے کہا فلانی میم صاحب نے جہنم کو بھیجا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہاں نیٹیو کا کچھ کام نہیں۔ یہ تو بڑے آدمیوں کی جگہ ہے میم صاحب جن کا غصہ فرو ہو چکا تھا، یہ سن کر خفت سے مسکرائیں۔ اور خانساماں کا قصور معاف فرمایا۔"

۳؍ مارچ کے پرچے میں: اترولی ضلع علی گڈھ سے ایک پرچہ "روح الاخبار" نکلا ہے؛ اس پر تبصرہ ہے۔

۳۱؍ مارچ کے نمبر میں لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیح ثانی ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے تو سرسید کو یحییٰ ثانی بن جانا چاہیئے۔ اسی پرچے میں پنڈت تربھون ناتھ ہجر کے ۲۴؍ مارچ کو وفات پانے کی خبر ہے ۱۴ اپریل کے شمارے میں ان کی تصویر بھی چھاپی گئی ہے۔

۱۸۹۳ء

ایک روز اکبر شکار میں شیر کے پیچھے اپنے ہمراہیوں سے علیحدہ ہو گیا۔ ایک نوعمر دہقانی کو دیکھا کسی کے انتظار میں درخت کے نیچے کھڑا ہے۔

اکبر:۔ کس کے انتظار میں ہو؟

نوجوان:۔ سنے رہوں اکبر بادشاہ سکار کا نکسے ہیں۔ توں درسن کا ٹھاڑ ہوں۔

اکبر:۔ بس یہی بات ہے۔ اچھا تو آ، تو میرے ساتھ چل میں تجھے ایسی جگہ لے چلوں گا جہاں سے تو بادشاہ کو اچھی طرح سے دیکھ سکے۔

یہ سن کر وہ نوجوان اٹھا اور بادشاہ کے گھوڑے کے شکار بند تھام کے اسکے ہمراہ رکاب ہو لیا۔ مگر تھوڑی سی دور گیا تھا کہ بولا۔

کاہے ہو کیسے جان پڑے بادشاہ کون آہیں!

اکبر:۔ بہت ہی آسانی سے سواس کے اور سب کی نگاہیں اور گردنیں جھکی ہوں گی۔

اتنا کہہ کر بادشاہ تھوڑی دور چلا ہوگا کہ سامنے کے ایک جھنڈ سے اس کے ہمراہی خوشی خوشی گھوڑا دوڑاتے حاضر ہوئے اور سرجھکا کر اس کو واپسی اور سلامتی کی مبارکباد دینے لگے۔

اکبر:۔ (مسکرا کر نرم آواز سے) تو نے اب پہچانا کون اکبر ہے!

نوجوان:۔ اب کن کا بنائی۔ ہم ہیں یا تم ہو۔

اس جواب کو سن کر اکبر بہت خوش ہوا اور اس کو اپنے رفیقوں میں جگہ دیکر سرفراز کیا۔

(۳۰ مارچ)

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ڈیر سر

جو لوگ مضامین کی چوری کرتے ہیں ان کو شاید یہ خیال ہے کہ چوروں کے واسطے دنیا میں کوئی سزا نہیں ہے۔ مگر وہ بڑے نادان ہیں، علاوہ قانونی سزا کے آپس کی ذلت اور ہم چشموں کی نگاہوں سے گرنے کی سزا کیا کم ہے۔

کلکتہ کے اخبار جنرل دگوہر آصفی مطبوعہ ۷ جولائی ۱۸۹۲ء میں سب سے پہلے ایک مضمون چھاپا گیا ہے۔ جو اودھ پنچ میں کئی برس ہوئے شائع ہوا تھا۔ یہ مضمون ا۔ع شوق کا ہے۔ گوہر آصفی نے علاوہ مضمون کی چوری کے ایک عجیب لغو حرکت کی ہے کہ آخر میں ا۔ع لکھ دیا۔ تاکہ لوگ یہ گمان کریں کہ کوئی شخص ا۔ع اس کے

نامہ نگاروں میں ہے۔ شوق کا لفظ وہ چاٹ گیا ہے.....''

"راقم واقف کار"

(۶ر جولائی ۱۸۹۴ء)

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

مندرجہ بالا عنوان سے گاؤکشی کے سلسلے میں ہندو مسلمانوں میں (خاص کر گیا میں) جو جوتی پیزار اور کشت وخون ہو رہا تھا' اس پہ لکھا ہے۔

حکومت نے تو اس کی ذمہ داری گئو رکھشنی سبھا پہ ڈالی ہے اور ولایت کے اخباروں نے کانگریس کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے......

مگر اصل وجہ ...... ——— ... اجی یہ تو انگریزی طرز حکومت کے کھلے کھلے نتائج ہیں۔ یہ گائے اور محرم اور دسہرے اور پارس ناتھ کی رتھ وغیرہ تو حیلے ہیں۔ جن کے پیرائے میں بخارات نکلتے ہیں۔ بخارات پیدا ہونے کے اسباب پہ نظر کرنی چاہیے

......

"راقم: صاف گو"

(۳۱ر اگست ۱۸۹۳)

(اسی سلسلے میں ۷ر ستمبر کے نمبر میں بھی دو شذرے ہیں۔ اور ایک ۱۹ر اکتوبر کے پرچے میں۔)

۲۳ر نومبر کے شمارے میں سکریٹری آف اسٹیٹ کے نام ایک شکایت نامہ ہے۔ باشندگان اضلاع شمال و مغرب کی طرف سے جس میں کہا گیا ہے کہ ایک ہندوستانی کو ہائی کورٹ کا جج کرنے پر ہم شکر گزار ہیں مگر بنگالی کے بجائے بہتر ہوتا کہ اسی طرف کا کوئی آدمی ہوتا۔ لہجہ خاصا سخت ہے۔ (۱۸۹۳ء)

رام پور پر ۱۸۸۹ء میں ۱۸۹۱ء میں اور ۱۸۹۲ء میں جنرل اعظم الدین خاں کے سلسلہ میں اہم معلومات ہیں۔

۱۸۸۸ء میں ۱۶ر فروری کے پرچے میں لکھنؤ کے ہدایت رسول بزم کی طرف سے "ادیب" نام کے رسالے کا اشتہار ہے۔ جو ماہانہ شائع ہوا کرے گا۔ اشتہار میں لکھا ہے کہ اس میں عروض و قوافی کے مباحث علاوہ پولٹیکل اور سوشل معاملات پر آزادانہ رائے زنی ہو گی۔ اگر یہ پرچہ نکلا ہے تو پیارے لال شاکر اور نوبت رائے نظر کے "ادیب" بلکہ فیروز آباد کے ادیب (۱۸۹۹ء) سے پہلے، بہت پہلے ایک اسی نوعیت کے رسالے ادیب کا سراغ مل جائے گا۔
اور ۱۰ر جون کے پرچے میں امتیاز علی کے مترجمہ ڈرامے "جہانگیر" پر تبصرے کے ذیل میں ڈرامائی صنف پر نظری حیثیت سے جو بحث کی گئی ہے۔ اس کی آج بھی اہمیت ہے۔

علی گڑھ میگزین

علی گڑھ میگزین سرسید کے عہد سے نکلنا شروع ہوا۔ یہ ۱۹۰۳ء تک
کالج میگزین کے نام سے شائع ہوتا تھا۔ مئی ۱۹۰۳ء تک اسی نام سے نکلتا رہا۔
منتقلی کرنا پڑتا دسمبر ۱۹۱۹ء تک اسی نام سے چلتا رہا جنوری ۱۹۲۰ء
میں رشید صاحب کے سجھاؤ پر اس کا نام علی گڑھ میگزین ہوگیا۔

میگزین شروع ہی سے انگریزی اور اردو دو زبانوں میں نکلتا تھا
اور ہر حصے کا الگ الگ ایڈیٹر ہوتا تھا۔ ہماری کم نصیبی کہ علی گڑھ والوں کی
تن آسانی کے سبب میگزین کا فائل خود علی گڑھ میں نہیں ملتا اور تو کہاں ہوگا۔
کالج میگزین کے بارے میں تو بس عبدالماجد صاحب (دریابادی) کی
زبانی سنا ہی ہے کہ شبلی اور آرنلڈ کی ادارت میں نکلتا تھا، دیکھنے کو ایک
پرچہ نہ مل سکا ہے منتقلی کے کچھ نمبر البتہ مل جاتے ہیں۔ مگر وہ بھی مکمل نہیں

ہے خوش قسمتی سے "محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج میگزین" کے کچھ پرچے بالکل
آخر وقت میں مل گئے۔ یہ پرچے ۹۷-۹۶-۱۸۹۵ء کے مختلف مہینوں
کے متفرق شمارے ہیں جن میں سب سے قدیم ستمبر ۹۵ء کا پرچہ ہے جو دوسری
جلد کا نواں نمبر ہے جنوری ۱۸۹۷ء کے ایک اداراتی نوٹ سے اس میگزین کے

حتیٰ کہ میگزین ہونے کے بعد بھی ۴، ۵ سال کے نمبر غائب ہیں!
مجھے جو شمارے مل سکے، ان کے قابلِ ذکر مشمولات یہاں درج
کرتا ہوں، بعض زیادہ اہم چیزوں کی تفصیل بھی دیتا چلوں گا۔

ستمبر ۱۹۰۴ء جلد ۲ نمبر ۹
"شاعری کے اصناف" (خدابخش خاں)
مسلسل مضمون (نواب علی حسن خاں)

فروری ۱۹۱۲ء
نہر سویز (قاضی جلال الدین)
(دسمبر ۱۹۱۳ء کے انگریزی سیکشن میں جسٹس شاہ دین کا آل انڈیا
محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا خطبہ صدارت درج ہے)
جولائی اگست مشترک نمبر ۱۹۱۴ء اور ستمبر اکتوبر مشترک نمبر ۱۹۱۴ء
میں "اردو شاعری پر ایک نظر" کے عنوان سے سجاد انصاری کا ایک طویل
مضمون ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ محشرِ خیال کی کسی اشاعت میں شامل نہیں۔
۱۹۱۵ء کا مکمل فائل ہے۔
جنوری فروری مشترک نمبر میں کالج کی جامع مسجد کی تکمیل کی خبر ہے

بارے میں کافی روشنی پڑتی ہے۔
"تقریباً پانچ برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اردو
ملا ہوا علیگڈھ کالج سے نکلنا شروع ہوا۔ اول اول وہ علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ کا
ضمیمہ بن کر نکلتا رہا۔ لیکن ۱۸۹۴ء میں اس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت
اختیار کی۔ اس کے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اس کے متعلقات پر
محدود ہوتے تھے۔ اور اس وجہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھ چنداں دلچسپی نہ تھی۔

باقی اگلے صفحہ پر

مارچ نمبر میں انجمن مدینۃ الشعر کے سکریٹری کے نام چودھری خوشی محمد ناظر، امداد امام اثر، نواب محمد اسحاق خاں اور شاد عظیم آبادی کے خطوط درج ہیں جو مکاتیبی لٹریچر میں دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یکساں اہم ہیں ان کے خط میں حالی کی وفات پر ایک مرثیہ بھی شامل ہے۔ ان خطوں میں شاد کا خط نسبتاً زیادہ اہم ہے۔ اس لئے نقل کرتا ہوں۔

"اے جنوں دشت نوردی کی یہاں تاب کسے
ذرہ چاہے تو تھکا دے مجھے صحرا ہو کر!

جناب مکرم تسلیم۔ نیاز، محبت نامہ نے شکر گزار کیا۔ بہتر سال کی عمر، اس پر مزید دورۂ مرض۔ اگر یہ دورہ نہ ہوتا تو میں بسر و چشم حکم کی تعمیل کرتا۔ اللہ اللہ دسمبر ۱۸۸۹ء میں سرسید علیہ الرحمۃ اور مولوی حالی کے اصرار پر میں علی گڈھ گیا تھا۔ اسٹریچی ہال میں مجلس مولود شریف کی ابتک یاد اس کی تڑپاتی ہے۔

(بقیہ) اس خیال سے اس کے منتظموں نے اس کو زیادہ وسعت دینی چاہی۔ تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ مسلمانوں کے علوم و فنون۔ تاریخ اور لٹریچر کے متعلق مفید اور پرزور مضامین لکھے جائیں۔ اس غرض سے اس کے ۲۴ صفحے بالکل اردو کے لئے مخصوص کر دیئے گئے ...... ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی نواب محسن الملک مولوی نذیر احمد اور منشی ذکا اللہ وغیرہ بزرگوں نے اس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہے .... میگزین کے کل صفحات ۴۸ ہیں، اور قیمت مع محصول ڈاک تین روپے ......

تھیوڈر بیک انگریزی ایڈیٹر

باقی صفحہ ۹ پہ

گر بماندیم زندہ بر دوزیم　　جامۂ کز فراق چاک شدہ
ور بمردیم عذر ما بپذیر　　اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت و کامیاب رکھے۔ عفو تقصیر کا خواستگار
(مولانا) سید علی محمد خاں (صاحب شاد) پٹنہ، ۸ر فروری ۱۵ء "

بنقیہ حاشیہ مولوی شبلی نعمانی　　اردو ایڈیٹر
نیاز محمد خاں　　منیجر

اپریل ۹۷ء سے اردو ایڈیٹر شیخ عبداللہ ہو گئے۔ میرے پیش نظر کالج میگزین کے مندرجہ ذیل پرچے ہیں: ستمبر ۹۵ء (جلد ۲، شمارہ ۹) اکتوبر ۹۵ء، نومبر ۹۵ (جلد ۲ شمارہ ۱۱) دسمبر ۹۵ جنوری ۹۶ء (جلد ۳ شمارہ ۹۶ء مارچ ۹۶ء اپریل ۹۶ء نومبر ۹۶ء (جلد ۳ شمارہ ۱۱) دسمبر ۹۶ء، جنوری ۹۷ء جلد ۵ شمارہ ۱) مارچ ۹۷ء، اپریل ۹۷ء مئی ۹۷ء جولائی ۹۷ء اگست ۹۷ء
ان پرچوں میں مندرجہ ذیل قابل ذکر چیزیں ہیں۔

"السفر الی المؤتمر" نامی عربی کتاب پر شبلی کا تفصیلی ریویو۔ (اکتوبر ۹۵ء)
شبلی کا فارسی قصیدہ در مدح وقار الامرا (اکتوبر ۹۵ء)

نومبر ۹۵ء: "اخبارات کی ابتدا۔ اور ترقی (ماخوذ از پرچہ الہلال
دسمبر ۹۵ء) "شہر ٹمبکٹو کا بیان" از آرنلڈ

الوجہا فی الذاہبین　　(سید احمد
از شبلی (دسمبر ۹۵، مارچ ۹۶ء مئی ۹۶ء)
از سر سید (جنوری ۹۶ء)
(شبلی) ۹۶ء) "ٹرکی کی عورتیں"
از شیخ عبداللہ (مارچ ۹۶ء)

۱۹۱۵ء کی دوسری اہم تحریروں میں قاضی جلال الدین کا "مصطفیٰ آباد عرف رامپور" اور "شیعہ کالج اور اس کا قیام" رشید صاحب کا سنجیدہ مضمون "مشاہیر یونان" اسلم جیراج پوری کا مقالہ "عربی زبان کے فضائل" اور ایک قصیدہ فارسی در مدح کالج، اور پھر ایک اردو نظم "علی گڈھ کول" جو آج بھی دلچسپی سے پڑھے جانے کی چیز ہے۔

شعراء ہیں:۔ حاذق صاحب، اسلم جیراج پوری، محمد علی خاں اثر رامپوری۔

دسمبر نمبر میں مولانا اشرف علی تھانوی کے ایک رسالہ الامداد کا اشتہار ہے۔

۱۹۱۸ء کے پورے فائل میں صرف رشید صاحب کی "سیاحت برہما" قابلِ ذکر ہے (اگست ستمبر اکتوبر مشترک نمبر)

(بقیہ حاشیہ) اپریل ۹۶ء: مولوی سمیع اللہ خاں کے بیان کے رد میں، پرنسپل کالج کی رپورٹ

"نئی روشنی" از ضیاء الدین

اشاعت کتب قدیمہ کے بارے میں شبلی کی ایک تجویز

نومبر ۹۶ء: "تجارت کے متعلق چند سوالات" از غلام الثقلین

"دنیا کی زبانیں" از وحید الدین سلیم

فن کتابت کی ایجاد اور اس کی ترقیوں کی تاریخ از وحید الدین سلیم

دسمبر ۹۶ء: انگریز ہندستان میں (بیک کے ایک مضمون کا ترجمہ)

مسلمانوں کے بارے میں سید محمود اور پرنسپل بیک کی تیار کی ہوئی کونسل اور میونسپلٹیوں کے انتخابات کی بابت تفصیلی یادداشت) باقی صفحہ ۱۰۱ پر

اس وقت تک اردو سیکشن کی ادارت (۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۸ء تک) قاضی جلال الدین کے سپرد تھی۔ اور اردو انگریزی کی نگرانی پروفیسر آکٹرلونی کے سپرد تھی۔ ۱۹۱۹ء سے پروفیسر اے ایف رحمٰن نگران ہوئے رشید صاحب اردو اور انگریزی دونوں کے ایڈیٹر ہوئے۔ بہ حیثیت پبلشر کے نام صرف نگراں کا آتا تھا۔ جولائی ۱۹۲۱ء سے ایڈیٹر کا نام بھی آنے لگا جب پبلشر مقتدیٰ خاں شروانی مدظلہٗ قرار پائے۔

۱۹۱۹ء کے قابل ذکر شعرا۔ سہیلؔ۔ فانیؔ۔ فجیؔ۔

تحریریں۔ رشید صاحب کا سلسلہ "سیاحت بہ رہا" اور خصوصیات کالج کے عنوان سے ایک سلسلہ (گل منزل وغیرہ)

آغا صاحب رحمٰن کی "بچھڑوں کی آپ بیتی"

انگریزی حصہ میں رپ (ذاکر صاحب) اور لوہیلین (رشید صاحب)

بقیہ۔ جنوری ۹۷ء "زبان کی اشاعت اور اس کا نشوونما" از وحید الدین سلیم۔ اپریل ۹۷ء "ہمارے تارے" از پروفیسر ضیاء الدین (THE PRINCESS of DARKNESS) یا تاریکی کے شہزادے) (انگریزی میں) محمد علی کا ایک افسانہ

"عورتوں کی تعلیم" از خلیل احمد اسرائیلی (جولائی ۹۷ء)

مارچ ۹۷ء جشن شصت سالہ۔ حضرت ملکہ معظمہ پر سرسید کی اسپیچ

"انگریز اور مسلمان" از تھیوڈور بیک

مئی ۹۷ء دوستی از سید محمود

ایک بڑا مسلمان جغرافیہ دان (الحسن المحمد الوزان الفاسی) از س۔ ح

کے فکاہیئے جو بعد کے پرچوں میں بھی نکلتے رہے۔

(۲)

۱۹۲۰ء سے پرچے کا نام علی گڈھ میگزین ہوگیا۔ ترتیب زیادہ سلیقے کی ہوگئی۔ اس سال کی اہم تحریریں یہ تھیں:۔

جنوری فروری مشترک نمبر:۔

ذاکر صاحب کا "جمہوریہ فلاطون کا ایک ورق"

کسی "لوفر" کا فکاہیہ "قفس قفس ہیں" (غالباً یہ لوفر رشید صاحب ہیں)۔

ترانۂ کالج (سجاد انصاری)

رمزِحیات (سجاد انصاری) اس عنوان سے دو منظومات ہیں ان کے ساتھ سجاد کا خط بھی ہے اور اس پر رشید صاحب کا ایک نوٹ۔ "میگزرد" (رشید صاحب)

مارچ۔ اگست مشترک نمبر:۔

"چپاؤں چپاؤں" (آغا حیدر حسن)

"محلسرا میں" (آغا حیدر حسن)

"بے پر کی" (آوارہ) اور اس پر رشید صاحب کا طویل نوٹ۔

اداریہ۔

"قربان عید قربان" (رشید صاحب)

"کعبۂ ہندستان، بنارس (رشید صاحب)

قابلِ ذکر منظومات:۔ ناصری، فانی اور نیاز فتح پوری کی غزلیں۔

۱۹۲۱ء کا جنوری نمبر ۱۸ ویں جلد کا پہلا نمبر تھا۔ اس میں

لسان العصر سے نامہ و پیام کے عنوان سے، اکبر اور رشید صاحب کی خط وکتابت درج ہے۔ آل انڈیا میڈکس کانفرنس میں رشید صاحب رونق افروز ہیں اور "بے پر کی" بھی اڑ رہی ہے۔ دوسرے شماروں میں۔

فروری اپریل مشترک نمبر:۔

چسٹرٹن کے ایک مضمون کا ترجمہ۔ ذاکر صاحب (تمہید میں ذاکر صاحب اور رشید صاحب کا مکالمہ)

"طوفان تکلم" رشید صاحب

جولائی تا اکتوبر مشترک نمبر:۔

"ایام تعطیل" رشید صاحب

خط چودھری خوشی محمد ناظر

ایک خط چند شعر سجاد انصاری

نومبر دسمبر مشترک نمبر

"قہر درویش" رشید صاحب

دیوان فانی پر تبصرہ

۱۹۲۳ء کا جنوری نمبر دیسے تو ۱۹ ویں جلد کا پہلا نمبر ہے لیکن اس سال نئی ترتیب کے پیش نظر پہلی جلد شروع کی گئی ہے۔ اس طرح یہ پہلی جلد کا پہلا نمبر ہے۔ اس میں۔

عبد الماجد دریا بادی کا ایک مکتوب۔

آغا حیدر حسن کی "محل سرائیں"

اور

رشید صاحب کا ایک افسانہ "کارلو"

فروری نمبر ۱۔ "میرا سفر" رشید صاحب

مارچ، اپریل مشترک نمبر:۔

جزائر مالدیپ قاضی جلال الدین

اور ایک خط کے ساتھ، ۔ فانی کی ایک غزل

گلکدۂ عزیز پر احسان احمد کا بسیط تبصرہ

اور خودکشی ۔ رشید صاحب

مئی جون مشترک نمبر:۔

کلام اکبر پر تبصرہ خواجہ منظور

جوش کی تنقید خواجہ منظور

عفت نسوانی سجاد انصاری

فلسفۂ فریب رشید صاحب

لالہ منی لال کے کلام "تفریح نوبہار" پر نہایت مفرح قسم کا تبصرہ۔ اور رشید صاحب کا میگزین چھوڑتے وقت "خدا حافظ"

منظومات:۔ ناصری، بدر جلالی اور جوش۔

جولائی ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۴ء تک خواجہ منظور حسین میگزین کا اردو سیکشن ترتیب دیتے رہے۔ خواجہ منظور کے مرتبہ جو پرچے مجھے مل سکے ان میں مندرجہ ذیل قابل ذکر چیزیں شامل ہیں۔ ۱۹۲۲ء جولائی، اکتوبر مشترک نمبر۔

"پس پردہ" مسلسل ۔ آغا حیدر حسن دہلوی، دعوت عمل خواجہ غلام السیدین پاگل خانہ۔ رشید صاحب۔ نومبر دسمبر مشترک نمبر۔ اعجاز قرآن اسلم جیراجپوری پدرم کی شاعری۔ احفاد حسین۔ توازن تقدیر سیدین صاحب۔ علم جغرافیہ اور مسلمان۔ قاضی جلال الدین۔ انیونی ۔ رشید صاحب ———

ان کے علاوہ یلدرم، فانی اور نیاز فتح پوری کی غزلیں اور نظمیں اور سجاد انصاری کا ایک خط اور چند شعر۔

۱۹۲۳ء جنوری فروری نمبر

فلسفۂ انقلاب	سید ہین صاحب
غدر کی کہانی کپڑے والی، افضل النساکی زبانی۔	آغا حید رحسن
حقیقت عریاں	سجاد انصاری
علم جغرافیہ اور مسلمان ۔ ۲	قاضی جلال الدین
رو بفزاد (ٹیگور سے ترجمہ)	رشید صاحب
کارلی	رشید صاحب

اور ــــــ سجاد انصاری اور عبدالرحمٰن بجنوری کی منظومات۔

مارچ، اپریل مشترک نمبر

"طوق زریں" ایک طویل افسانہ، صاحبزادہ عبدالجلیل خاں ایڈیٹر

ایک ذاتی خط "لطف انتقاد" سجاد انصاری

(یہ خط علی گڈھ میگزین کے عنوانات سے کسی قدر کتر بیونت کے بعد محشر خیال میں شامل ہے)

خواجہ منظور غالباً جولائی ۱۹۲۴ء تک ایڈیٹر رہے ان کے جانشین اشفاق حسین بے خود ہوئے۔ ۲۵-۱۹۲۴ میں نہ تو خواجہ منظور کے دوسرے پرچے مل سکے نہ بیخود کی کسی ترتیب کا پتہ چل سکا۔

۱۹۲۵ء، جوبلی نمبر:۔ اردو سیکشن۔ بشیر احمد صدیقی اور ان کے معاون جلیل احمد قدوائی جلیل نے ترتیب دیا۔ (اور انگریزی حصہ سید احمد کاظمی اور امیر الدین قدوائی نے) اس میں بعض بڑے اچھے مضامین

اور تحریروں کے علاوہ کچھ نادر تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ جن میں سر سید، پرنسپل بیک اور سر سید کے رفقا کا ایک گروپ، سابق عثمانیہ ہوسٹل ڈاکٹر ضیاء الدین، پروفیسر محمد حبیب، آفتاب احمد خاں، لارڈ لٹن کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے۔ محمد علی مولانا اور محمد علی آکسن، سجاد حیدر یلدرم، نوجوان حفیظ الرحمٰن (موجودہ پروفیسر شعبۂ قانون) اور نمازیوں کے ساتھ جامع مسجد کی فضا وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

اردو سیکشن میں علامہ عبدالعزیز میمن کا عربی قصیدہ در مدح کالج، جلیل قدوائی کا افسانہ "دو آنسو" اور حسن نظامی کی "ناپاک تحریریں" اور انگریزی حصہ میں "رسول عربی" پر پروفیسر حبیب کا مبسوط مقالہ اور مولانا عبدالخالق کا "اسلامی فقہ میں قانون" قابلِ ذکر ہیں۔

۲۷-۱۹۲۶ء، جلد ۴: عبدالباسط کی ادارت میں چار پرچے نکلے آخری نمبر ۴-۵ مشترک نمبر تھا (دسمبر ۲۶ء جنوری فروری ۲۷ ۱۹ء) پہلے نمبر کے اداریہ میں میگزین کے منتقلی دور کے ایڈیٹروں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں شبلی، مولوی عبدالقادر، مرزا محمد سعید، میر ولایت حسین، اور قاضی جلال الدین کے نام دیئے گئے ہیں۔ اور انگریزی سیکشن میں بیک، ایل ہٹنگ، جے۔ ایچ ٹول، ڈی۔ آکٹر لونی اور اے ایف رحمٰن کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد عہدِ رشیدی سے انگریزی حصہ اردو سے الگ شائع ہونے لگا۔ اور اردو سیکشن میں رشید صاحب (رشید صاحب کے سپرد انگریزی حصہ کی ادارت بھی تھی) خواجہ منظور (اشفاق حسین بےخود کا نام نہیں دیا گیا ہے) بشیر احمد صدیقی اور پھر خود عبدالباسط ایڈیٹر ہوئے۔ عبدالباسط کی تمام ترتیبوں میں صرف آخری نمبر میں ان کا اپنا

مضمون "نظریۂ تمدن" قابلِ ذکر ہے۔

۱۹۲۷-۲۸ء (ترتیب محمود الحسن صدیقی) کے پرچوں کا کوئی نشان نہیں ملتا۔

۱۹۲۸-۲۹ء میں انیس الدین احمد رضوی امروہوی ایڈیٹر تھے۔ میرے پیشِ نظر جولائی اکتوبر ۱۹۲۸ء کا شمارہ ہے۔ جو انھوں نے محمد حبیب اللہ خاں غلزئی کی معاونت سے ترتیب دیا ہے۔ اس نمبر میں شمیم بلہوری، ایم اسلم اور عبدالشکور کے افسانے، ایڈیٹر کا "مسئلۂ شرقیہ" ض کا کلام، عزیز صفی پوری پر تبصرہ عبدالعلیم نامی کا "مسلمان اور ہندی ادب" اور ایم اسلم کا مضمون "بقائے دوام" قابلِ ذکر ہیں۔

۱۹۲۹-۳۰ء (ترتیب محمد زکریا قیصی) ۱۹۳۰-۳۱ء (ترتیب: ممتاز احمد بسمل) اور ۱۹۳۲-۳۳ء (ترتیب: دلشاد بنی) کے شماروں کا پتہ نہیں چلا۔

نویں جلد ۱۹۳۱-۳۲ء ترتیب: عبدالاحد خاں خلیل، میں کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں۔

۱۹۳۳-۳۴ء (جلد ۱۲) کی ترتیب آل احمد سرور کے سپرد تھی اس ادارت میں چار شمارے نکلے۔ پہلا شمارہ جنوری ۳۳ء میں نکلا دوسرا اپریل میں تیسرا جولائی میں اور چوتھا اکتوبر میں۔ ان میں دوسرے شمارے میں رشید صاحب کا "محمد علی"، حیات اللہ انصاری کا افسانہ "نارسائی قسمت" سرور صاحب کا "انگارے" پر تبصرہ "گھاٹی میں" کے عنوان سے چیخوف کا ایک طویل افسانہ جس کا ترجمہ خواجہ منظور نے کیا ہے۔

پہلے شمارے میں خیام کی مقبولیت' پارہ دتی رودولوی کی

کی غزل اور ایک نظم "شاعر کی صبح"۔

تیسرے شمارے ہیں: غالب کی شاعری کے دو متضاد دور (شباب بدایونی) "ملا رموزی کی زندگی اور ہم" (آل احمد سرور) اور رشید صاحب کا پاسبان اور چوتھے اور آخری شمارے میں "سہیل" (رشید صاحب) " حفیظ (جالندھری) کی شاعری (سرور صاحب) "غالب پر ناقدانہ نظر" پچھلے شمارہ کے مضمون کا جواب (ضیاء احمد بدایونی) " واجب الوجود" عبدالماجد دریابادی)" ہندوستانی" (سید سلیمان ندوی) شادی کی حیاتیاتی ابتدا (محمود حسین خطیب) " نظامت بنگالہ" (شیخ لے نوز — میر محفوظ علی) اور محمد علی کے خطوط، سرور صاحب کے تفصیلی تعارف کے ساتھ قابل ذکر چیزیں ہیں۔

۳۵-۱۹۳۴ء، جلد ۱۳، کے مرتب ظفر احمد صدیقی تھے۔ اس میں مندرجہ ذیل اچھی چیزیں شامل تھیں۔

"شہیدان وفا کا خون بہا کیا" (سید یمین صاحب کا افسانہ) ... "فارسی شاعری اور تجربات" (ضیا احمد بدایونی) "الغزالی اور ان کی اندرونی نشو نما" (عمر الدین) "غدار" ـ افسانہ (سید سبط حسن) " فانی کی شاعری کے چار مختلف دور" (ظفر احمد صدیقی) "منہاج السراج" (زکریا فیاضی) - "محمد علی مرحوم" (شوکت علی)

(اسی سال ۱۹۳۴ء میں انگریزی میگزین نے یونین جوبلی کے موقع پر اپنا ایک خاص نمبر شائع کیا جس میں دو پیغام یادگار حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک گاندھی جی کا اور دوسرا اقبال کا۔ گاندھی جی نے لکھا تھا۔

WARDHA

18TH AUGUST, 1934

MY DEAR BADIUDDIN

I HOPE ALIGARH BOYS LOVE, OR SHOULD LOVE THEIR MOTHERLAND AS THEY LOVE OR SHOULD LOVE ISLAM. YOURS SINCERELY

(SD) M.K. GANDHI

ترجمہ

واردھا - ۱۵- آگست ۳۴ ۱۹ء

بدیع الدین، میرے عزیز!

مجھے امید ہے علی گڈھ کے فرزند اپنی مادر وطن سے بھی اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی اسلام سے یا، جتنی انھیں اسلام سے کرنی چاہیئے[1]

مخلص

(دستخط) ایم۔ کے۔ گاندھی"

اور اقبال نے مندرجہ ذیل قطعہ مع اس کے ترجمے کے بھیجا تھا۔

---

[1] یہ میگزین ایک بار نظر سے گزر کر کھو گیا تھا اور میں نے اپنی یادداشت سے اس کا یہ ترجمہ کیا تھا، "مجھے امید ہے علی گڈھ کے فرزندو! تم اچھے مسلمان بھی ہوگے، اچھے ہندستانی بھی۔"

اب جب کہ یہ میگزین مجھے پھر مل گیا ہے، میں نے اس کا ترجمہ دیانت داری سے کر دیا ہے۔ لیکن گاندھی جی کے الفاظ کی روح میرے اصل ترجمہ سے زیادہ اچھی اس بھولے بسرے ترجمے میں ظاہر ہوتی ہے۔

یقیں اللہ مستی خود گزینی
یقیں مثل خلیل آتش نشینی
سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار
غلامی سے ہے بدتر بے یقینی

TRUST IN GOD IS ECSTACY AND EMANCIPATION
LIKE KHALIL TO SIT IN CONFLAGRATION
HARK YE SLAVE OF PRESENT CIVIZATION
INFIDELITY, THAN BONDAGE IS WORSE, AN
OCCUPATION

(SD.) MOHAMMAD IQBAL

۱۹۳۵-۳۶ء میں میگزین کی ادارت حیات اللہ اختر کے سپرد ہوئی۔ جنوری ۱۹۳۶ء میں اس سیشن کا پہلا نمبر نکلا یہ ۱۴ویں جلد کا پہلا شمارہ تھا۔ اداریہ سے پتہ چلتا ہے کہ تعلیمی سال کے شروع میں ادارت مجاز کے سپرد ہوئی تھی مگر وہ دہلی ریڈیو اسٹیشن کی میگزین کے ایڈیٹر ہوکر علی گڑھ سے چلے گئے اور فریضہ فال حیات نثار اختر کے نام پڑا۔ اس نمبر کی اہم مشمولات:

"اہلی شاعری" (اختر امام) "انقلاب پسند" (منٹو) "مضطر بندی شاعر کی حیثیت سے" (حیات نثار اختر) "تفادل" افسانہ (علی سردار جعفری حزیں) "انتقام کی آگ" افسانہ (شاہد لطیف)

اپریل نمبر شمارہ ۲ میں:

"راندۂ حیات" (شاہد لطیف) "گوتم کا مجسمہ" ڈرامہ (سردار جعفری)

"کنگھی" افسانہ (محمود الظفر) "بیمار" ڈراما (سجاد ظہیر) فارسی ادب پر عربی کا اثر" (ضیا احمد بدایونی) "ادب القدما" (ابواللیث صدیقی) "دکن کے قدیم مثنوی گو شعراء" (معین الدین دردائی) "علامہ اقبال کی ایک غلطی" "جزیرہ صقلیہ کے مرثیہ" (اختر امام)

اداریہ میں اس بات کے ذکر کے بعد کہ میگزین کبھی ماہانہ نکلتا ہے کبھی ششماہی ہو جاتا ہے، اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ آئندہ سے اسے باقاعدہ بنایا جائے گا، اور اس کی متعین صورت سہ ماہی کی ہوگی۔ اداریہ میں ۲۸ مارچ کو سرسید ڈے منائے جانے کا ذکر ہے جس میں میر ولایت حسین اور پروفیسر حبیب نے تقریریں کیں۔ (اب سرسید ڈے، سرسید کے یوم وفات کے بجائے یوم پیدائش پر، ۱۷ اکتوبر کو منایا جاتا ہے)

تیسرا شمارہ، غالباً جولائی ۱۹۳۶ء میں تعطیلات نمبر کے نام سے نکلا ہے۔ اس میں اہم تحریریں یہ ہیں:

"بھکارن کی موت" (شاہد لطیف) "عمر خیام اور اس کی شاعری" (ضیاء احمد بدایونی) "جدید اردو ادب اور نوجوانوں کے رجحانات —" (السید علی سردار جعفری) "الیکشن" (رشید صاحب) سردار جعفری نے اپنے مضمون میں جن تحریروں کے حوالے دیئے ہیں۔ ان میں سید زین صاحب کے دو افسانے "بیداری" اور "شہیدان وفا کا خون بہا کیا" بھی شامل ہیں

۳۷-۱۹۳۶ء کی ادارت معین الدین دردائی کے سپرد تھی۔ یہ میگزین کی ۱۵ ویں جلد تھی۔ اس جلد کا پہلا نمبر مجھے نہیں ملا۔

دوسرے نمبر میں:- "ظفر کی شاعری" – طویل مقالہ (شان الحق حقی) "ایک اسکول ماسٹر کی ڈائری" (سید زین صاحب) "دیوانگی" (ریاض رونی)

علیگ) میاں خوجی نے ریل کا سفر کیا۔ (خواجہ مسعود علی ذوقی) "بجھو"
(رشید صاحب) "البیرونی کی کتاب التفہیم اور قانون مسعودی" (سید حسن برنی)
"خلجی سلاطین دہلی کی اصل نسل" (شیخ عبدالرشید)

تیسرے نمبر میں :- سید سلیمان ندوی کا طویل مقالہ ہماری زبان کے نام سے شائع ہوا ہے۔

چوتھا نمبر، تصاویر کے لحاظ سے اہم ہے۔ یہ ایڈیٹر نمبر کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ تصویروں میں خواجہ منظور (سب سے حسین تصویر) رشید صاحب (جو اس میں خاصے نظر آتے ہیں) سرور صاحب، ظفر احمد صدیقی (چڑھی ہوئی نوک دار، خاکسار، ٹائپ مونچھوں والے) اور عبدالباسط کی تصاویر قابلِ ذکر ہیں۔ مضامین میں رشید صاحب کا "سفر کا ماضی و حال" قابلِ ذکر ہے۔

۳۸-۱۹۳۷ء کے سیشن کی ادارت ابواللیث صدیقی کو سونپی گئی۔

جنوری ۳۸ء، جلد ۱۶، شمارہ ۱: اہم تحریریں۔
"جگر کی شاعری" (یوسف رضا بدایونی) "مقروض" ڈرامہ — ترجمہ۔ از ترگنیف (شاہد لطیف) "جدید اردو ادب کا بانی" — (ابواللیث صدیقی) "ہونڈار" (رشید صاحب) اور "سید محمود کے ساتھ چند گھنٹے" (احسن مارہروی) جس میں غالب کے بارے میں ایک نایاب حوالہ بھی ہے۔

اپریل ۱۹۳۸ء شمارہ ۲، اقبال نمبر، شاید جلدی میں ترتیب دیے جانے کے سبب اس میں کوئی قابلِ ذکر تحریر شامل نہ ہو سکی۔

اگست ۱۹۳۸ء تعطیلات نمبر" ہیرا" (رشید صاحب) طبقات الشعراء
قدرت اللہ شوق (مرتبہ، ابواللیث صدیقی) چوتھے شمارے میں کوئی
خاص چیز نہیں۔ (۳۸-۱۹۳۷ء) کے انگریزی میگزین میں ڈاکٹر سید
عبداللطیف کا مضمون "مسلم کلچر" بہت عمدہ ہے۔

۳۹-۱۹۳۸ء، جلد ۱۷ کی ادارت آفتاب احمد صدیقی (صبحی
ردولوی) اور ان کے معاون اظہر کمال پر مشتمل تھی مارچ
۱۹۳۹ء ستر ہویں جلد، پہلا نمبر" سوداگر و سوداگری" (رشید صاحب)
جولائی ۱۹۳۹ء تعطیلات نمبر:

"کنولیسر" (رشید صاحب) دسمبر ۳۹ء۔
شمارہ ۱۲: ریڈیو کے آس پاس" (رشید صاحب) "خاقانی شروانی"
(ضیاء احمد بدایونی)

۴۰-۱۹۳۹ء کا انگریزی میگزین جلد ۴۸، نمبر ۱، اقبال نمبر
تھا۔ جسے محمد سلطان الاسلام نے ترتیب دیا۔ اس میں مندرجہ ذیل
قابل ذکر مضامین تھے۔

امیہ چکرورتی:۔ اقبال ہندستان کا ملی شاعر"
امرناتھ جھا:۔ اقبال کی ہلکی پھلکی شاعری"
حفیظ سید:۔ اقبال کے یہاں قومیت اور بین الاقوامیت
اقبال:۔ اسلامی فلسفہ" (اردو میگزین کے ایڈیٹر کے نام ایک خط کا ترجمہ)

اقبال:- ہندستانی مسلمان (۱۹۳۰ء کا خطبہ)
سید حامد:- اقبال اور سیاسیات
غلام سرور:- اقبال کی شاعری کے کچھ پہلو۔
رفیع اللہ خاں:- اقبال کے دو شعر
ڈاکٹر موہن سنگھ:- اقبال اور تقدیر
احمد معین الدین:- [اقبال، شاعر، فلسفی (نظم)]

۴۰۔ ۱۹۳۹ء میں غالباً میگزین شائع نہیں ہوا۔ اس لئے کہ:-
۱۸ ویں جلد کا پہلا نمبر مارچ ۱۹۴۱ء میں نکلا ہے۔ جو رشید احمد مودودی نے ترتیب دیا ہے (۱۷ ویں جلد کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ جو ۱۹۳۸-۳۹ء میں نکلی تھی) اس میں عبدالقادر سروری کا مضمون "اردو کے ہندو شعراء" قابلِ ذکر ہے۔

۴۲۔ ۱۹۴۱ء کی ادارت بختیار حسن اور ان کے معاون سید محمد صادق صفوی پر مشتمل تھی۔ یہ میگزین کی ۱۹ ویں جلد تھی۔ پہلا نمبر ستمبر ۱۹۴۱ء احسن نمبر: احسن مارہروی پر رشید صاحب کا مضمون پہلی بار اسی میں شائع ہوا۔ دوسرا نمبر مارچ ۱۹۴۲ء۔ اس میں "سرسید کی شاعری" (سلطان احمد صدیقی) کسی قدر اہمیت رکھتا ہے۔

۴۳۔ ۱۹۴۲ء، جلد ۲۰۔ فانی نمبر ہے جسے راز مراد آبادی نے ترتیب دیا۔ ابھی تک فانی کے سلسلے میں اس سے اچھا مجموعہ سامنے نہیں آسکا۔ اس میں فراقؔ، احتشام حسین، آل احمد سرور، محمد سبطین، وحید احمد، سیماب اکبر آبادی، ماہر القادری، اور حکیم مختار احمد بدایونی کے مضامین قابلِ ذکر ہیں۔

۴۴-۱۹۴۳ء۔ ۲۱ ویں جلد، ترتیب :۔ ملک حامد حسین :۔
پہلا شمارہ :۔ "ضیا احمد برنی" (شیخ عبدالرشید) اردو کا نیا عروض
اور عظمت اللہ خاں (مسعود حسین خاں، ریسرچ اسکالر) اور "اپنی یادیں"
کے عنوان سے رشید صاحب کی پہلی خود نوشت۔
پھر غالباً ۴۵-۱۹۴۴ء میں میگزین نہیں نکلا۔
۴۶-۱۹۴۵ء کا میگزین ۱۹۴۶ء کی جنوری میں عبدالقدیر رضوی
کی ادارت میں نکلا۔ یہ میگزین کی ۲۲ ویں جلد تھی۔ اس میں "اجاویدنامہ
اور اس کے پیش رو" (شیخ احمد کمالی) "یلدرم کی یادیں" (رشید صاحب)
"اردو مردانہ زبان ہے" (ڈاکٹر مسعود حسین) خطوط نگاری (خورشید الاسلام)
"ناول کا فن" (ابو اللیث صدیقی) "علم احکام النجوم" (یعقوب بخش
راغب بدایونی) "میر حسن کی نادر مثنوی" (محمد عزیز) اور اختر شیرانی
کی نظم "علی گڑھ کے طلبہ کے نام" اہم تحریریں ہیں۔
اسی شمارہ میں "السلام اے شہیدان بہار السلام" کے عنوان کے
تحت دو ہنشیں تعزیت نامہ ہے جس پر کافی ہنگامہ ہوا۔ ایڈیٹر کو یونیورسٹی
سے نکال دیا گیا۔ ان کی ڈگری ضبط کرلی گئی، کچھ ہی دن بعد اس صدمہ
سے ان کا انتقال ہوگیا۔ مگر لڑکوں نے کبھی ضیاء الدین کو بخشا نہیں۔

۴۷-۱۹۴۶ء میگزین کی ۲۳ ویں جلد محمود فاروقی نے مرتب
کی۔ اس کی اشاعت نومبر ۱۹۴۶ء میں ہوئی۔ اس میگزین کی اہم چیزیں تھیں۔
"اردو کے باغی شعرا" (سلامت اللہ خاں) "شبلی" (خورشید الاسلام)۔
سر سید کی تعلیمی تحریک" (عبدالغفور) "میر حسن کی چند گمنام مثنویاں (محمود

فاروقی) "اردو شاعری پر ہندی کا اثر" (وقار عظیم مدیر نورنگ، کراچی)
"اردو کھڑی بولی کا ارتقا" (ڈاکٹر مسعود حسین) "اردو میں تنقید کی ابتدا"
(انور انصاری) "مقام محمود" "نقد و نظر" عبد المالک آروی کی کتاب پر
تنقیدی تنقید (مختار الدین احمد آرزو)
اسی میگزین میں "نوجوانوں سے خطاب" کے عنوان سے اظہر امام اظہر
کی ایک نظم بھی شامل تھی جس میں ایک شعر یہ بھی تھا۔

گونجتی ہے پھر فضاؤں میں صدائے سومنات
پھر کسی غزنی سے کوئی غزنوی پیدا کرو

چھپے میگزین کے بعد اس پر پھر ہنگامہ چلا۔ میگزین ضبط ہوا اس میں
سے یہ ورق نکالے گئے پھر کہیں تقسیم کی نوبت آئی۔

۴۹۔۱۹۴۸ء نمبر مختار الدین احمد آرزو نے ترتیب دیا۔ عرصے کے
بعد میگزین کو سلیقے کا مرتب ملا۔ اس میں مندرجہ ذیل اہم چیزیں شامل ہیں۔
"امراؤ جان ادا" (خورشید الاسلام) اشعار میر پر ایک نظر" (مختار
الدین احمد آرزو) "غالب کی راست گفتاری" (قاضی عبد الودود) "ہندی
عروض" (ڈاکٹر مسعود حسین) "جھگڑالو" (رشید صاحب) آزادی پر پیش اور جذبی
اور جذبی کی نظمیں اور مرتب کے قلم سے محمد علی جناح، گاندھی جی اور ڈاکٹر
ضیاء الدین کے تعزیت نامے۔
اور سب سے اہم چیز مسلم یونی ورسٹی میں پنڈت جی کا خطبہ اور
مسجد شاہجہانی میں مولانا کا تاریخی خطاب
یہ میگزین کی ۲۴ ویں جلد تھی۔

۵۰۔۱۹۴۹ء نمبر (۲۴ ویں جلد جاری۔ اس شمارہ کو بھی آرزو صاحب

نے ترتیب دیا۔ یہ غالب نمبر تھا۔ غالب کے سلسلے میں پہلا باقاعدہ اور ہمہ جہت نمبر۔ اس میں مندرجہ ذیل مضامین شامل تھے۔
"کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا" (رشید صاحب) "غالب کی عظمت" (سرور صاحب) "مرزا غالب" (مالک رام) غالب کی خاندانی پنشن" (غلام رسول مہر) "غالب کا مقدمہ" (غلام رسول مہر) "دہلی سوسائٹی اور مرزا غالب" (ڈاکٹر عبدالستار صدیقی) "غالب کا ایک فرضی استاد"۔ (قاضی عبدالودود) "باقر علی خاں کامل" (مس حمیدہ سلطان) "نوادر غالب" (مختار الدین احمد) "غالب کی شعر گوئی (امتیاز علی عرشی) "لطائف غیبی اور غالب" (عبدالمجید سالک) "برہان قاطع کا قضیہ" (مولوی مہیش پرشاد) "غالب کی شخصیت" (شوکت سبزواری) "غالب کے خطوط" (مفتون احمد) "غالب کا الہام شعر و ادب" (عبدالمالک آروی) "کیا غالب کا کلام الہامی ہے" (مس شہناز ہاشمی) "غالب بہ حیثیت محقق" (قاضی عبدالودود)۔ "امراؤ بیگم" (حمید احمد خاں) "غالب کی عشقیہ شاعری" (عبادت بریلوی) "آثار غالب" (قاضی عبدالودود) اور نیاز اور عبدالماجد دریابادی کے خطوط۔

۵۳۔ ۱۹۵۱ء نمبر اکبر نمبر تھا۔ اسے نہ معلوم کیوں ۴۳ ویں جلد کا تیسرا شمارہ قرار دیا گیا) سید شبیہ الحسن نونہروی ایڈیٹر تھے۔ سوانحی حصہ میں بشیر حسین، ممتاز حسین جونپوری اور صبغت اللہ فرنگی محلی کے مضامین قابل ذکر ہیں اور تنقیدی حصہ میں "اکبر کا ذہن" (احتشام حسین) "اکبر کی ظرافت اور اس کی اہمیت" (آل احمد سرور) "اکبر کے فن اور شخصیت پر ایک نظر" (سید شبیہ الحسن نونہروی) اور رشید صاحب اور پنڈت کشن پرشاد کول کے مضامین، میگزین کا حاصل ہیں آخر میں ایڈیٹر نے

اپنے مقدمہ کے ساتھ "نوادر اکبر" کے عنوان سے اکبر کے غیر معروف یا غیر مطبوعہ مضامین نثر اور منظومات شائع کی ہیں۔ اور مختار الدین احمد آرزو نے اکبر کے بعض نادر خطوط مرتب کئے ہیں۔

۵۳ - ۱۹۵۱ء نمبر آفتاب زبیری اور خلیل الرحمٰن اعظمی نے ترتیب دیا۔ اس میں مندرجہ ذیل اہم مشمولات ہیں۔

بیگم مہدی کے نام مہدی افادی کے غیر مطبوعہ خطوط رشید صاحب کا بہار اردو کانفرنس کا خطبۂ صدارت، (مئی ۱۹۵۱ء) جوش ملیح آبادی پر ڈاکٹر عزیز کا مضمون اور آرزو صاحب کی مرتبہ لٹن لائبریری کے اہم مخطوطات و نوادر کی فہرست۔

۵۴ - ۱۹۵۲ء نمبر طنز و ظرافت نمبر تھا۔ جسے ظہیر احمد صدیقی نے مرتب کیا۔ اس کی اہم تحریریں:

"اودھ پنچ کے نورتن" (کشن پرشاد کول) "طنز و مزاح" (سلطان حیدر جوش) "اردو شاعری میں طنز" (شوکت سبزواری) "میر ضاحک دہلوی" (قاضی عبدالودود) پیروڈی، اردو ادب میں" (ظفر احمد صدیقی) — (اسلوب احمد انصاری) "فرحت اللہ بیگ" (ماہر القادری) "جینے کا سلیقہ" (رشید صاحب) "ان سے ملئے" (مختار الدین آرزو) "لندن کی ایک شام (ڈاکٹر مسعود حسین)

۵۴ - ۱۹۵۳ء نمبر علی گڈھ نمبر کے نام سے نسیم قریشی کی ادارت میں نکلا۔ جو غالب نمبر کے بعد میگزین کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اہم مضامین :-

"سرسید کا خواب اور اس کی تعبیر" (عابد حسین) علی گڈھ تحریک

کے اساسی پہلو" (احتشام حسین) "سرسید اور مغرب کے تہذیبی اثرات" (آل احمد سرور) "سرسید کا دینی شعور و فکر" (سعید احمد اکبر آبادی) "علی گڈھ کی سیاسی زندگی" (کنور محمد اشرف) "سرسید اور ہندو مسلم اتحاد" (ہارون خاں شیروانی) "علی گڈھ تحریک اور جامعہ ملیہ" (عابد اللہ غازی) "ذاتی ڈائری کے چند ورق" (میر ولایت حسین) "عزیز مرزا" (انعام الہی) "نواب اسحٰق خاں" (اسلم سیفی) "عنایت اللہ دہلوی" (صباح الدین عبدالرحمٰن) "مولانا محمد علی" (قاضی عبدالغفار) "حسرت" (وقار عظیم) "احسن مارہروی" (ضیا احمد بدایونی) "ایم اے۔ او کالج کے ممتاز اساتذہ" (ڈپٹی حبیب اللہ خاں) "ایک مرد درویش: خواجہ غلام الثقلین" (خواجہ غلام السیدین) اور "مسلم یونی ورسٹی کا نیا دور" (عبدالعلیم)

۱۹۳۸ء میں بھی ایک علی گڈھ نمبر نکلا تھا۔ ۱۹۵۵ء میں ایک اور علی گڈھ نمبر کی ضرورت کا احساس ہوا تھا۔ اس میگزین نے اس ضرورت کو تو کافی حد تک پورا کیا لیکن اس کے بعد اس کے تتمہ کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ اور یہ اس لئے کہ اتنا اچھا نمبر ہونے کے باوجود یہ علی گڈھ تحریک کا نمائندہ نہ بن سکا۔ علی گڈھ تحریک کے بہت سے گوشے بے نقاب نہیں ہو پائے۔ تحریک کے اکثر زعماء شاید اس لئے سامنے نہ آسکے کہ ان پر لکھنے والے نہ مل سکے۔ تاہم کمیوں کے باوجود، غالب نمبر کے بعد دوسری اہم پیش کش کی حیثیت سے یہ علی گڈھ نمبر بھی ہمیشہ یادگار رہے گا۔

۱۹۵۵-۵۶ء نمبر، ترتیب: حفیظ میناٸی (عبدالحفیظ صدیقی) یہ آدھا مجاز نمبر تھا، آدھا عام نمبر۔

اہم تحریریں:

"مجاز — رومانیت کا شہید" (سرور صاحب) "مجاز فکر و فن کے چند پہلو" (احتشام حسین) "مجاز — میرا بھائی (حمیدہ سالم) "مطرب بزم دلبراں" (عبادت بریلوی) "مجاز" (اسلوب احمد انصاری) "مجاز مرحوم" (میکش اکبر آبادی) اور قمر رئیس اور راہی معصوم رضا کی نظمیں "نیم شب" اور دیوانہ مر گیا"

اور عام حصہ میں،

"لکھنؤ کی زبان" (اثر لکھنوی) اور فیضی برانی کے نام کیٹس کے کچھ خطوط کا ترجمہ (شاہد مہدی)

۵۷-۱۹۵۶ء میں دو نمبر نکلے جنہیں قمر رئیس نے ترتیب دیا۔

پہلا شمارہ مارچ ۵۷ء منتخب چیزیں:

"پھول کھلے ہیں گلشن گلشن" (ڈاکٹر مختار الدین احمد) "آشفتہ بیانی میری" (رشید صاحب کی خود نوشت) "شبلی کی محرومیاں (احمد اسحٰق نعمانی) اور — آزاد نظم سمپوزیم کے حصے ہیں۔ سلامت اللہ خاں اور شہاب جعفری کے مضامین۔—

دوسرا شمارہ ستمبر ۵۷ء:

رشید صاحب کی آپ بیتی کا دوسرا حصہ، شاہد مہدی کا کرداری افسانہ "میر اوسط علی" اور میر پر ڈاکٹر سید عبداللہ، سلامت اللہ خاں اور سرور صاحب کے مضامین اور اس نمبر کی حسین ترین چیز ہے سرور صاحب کا ایک شعر، فکر، فن، اور جذبہ کا حسن کارانہ اظہار۔ سلسبیل اور ذوق جنوں کے شاعر نے اردو ادب کو کچھ باقی رہنے والی خوب صورت نظمیں ضرور دیں، مگر غزل کی طرف سے کچھ مایوس کیا تھا۔ اس تنہا شعر سے غزل پرستوں کو کافی

توقعات پیدا ہو چلی ہیں:

چاند کو چھونے کا قصہ پھول پی جانے کی بات
ہر سہانی آرزو اب تک ہے دیوانے کی بات

۱۹۵۸ء میں انور صدیقی کا مرتبہ "نظریاتی ادب نمبر" نکلا جس میں "ادب برائے ادب" (محمد یٰسین) "ادب کا مادی نظریہ" (احتشام حسین) اور جدید مادیت اور جمالیات (مجنوں گورکھپوری) نظریاتی حصے میں، اور "مجاز کا المیہ" (سلامت اللہ خاں) اور پریم چند کی زندگی میں رومان کا عنصر (قمر رئیس) عام حصے میں قابل ذکر چیزیں ہیں۔

۱۹۵۹ء کا نمبر حسن مثنیٰ انور نے مرتب کیا جس کی ترتیب اس طرح ہے:

مولانا ابوالکلام آزاد (رشید احمد صدیقی) پردیسی کے خطوط (مجنوں) شاعری میں شخصیت (آل احمد سرور) دانتے اور اسلام (ڈاکٹر عبدالعلیم) گوئٹے (اختر انصاری) تاریخی تحقیق کے بعض مسائل (نذیر احمد) آتش کی شاعری میں تصوف (خلیل الرحمٰن اعظمی) غالب کا غم (قاضی عبدالستار) مولانا آزاد کی ادبی حیثیت کا تجزیہ (ریاض الرحمٰن شروانی) پریم چند کا تصور حیات (قمر رئیس) ذوق (تنویر احمد علوی) شیخ اکبر اور اقبال (حسن مثنیٰ انور) سر سید جمال الدین افغانی کی نظر میں (انور معظم) غالب کے خطوط (اقرار احمد عباسی) ــ اور ۱۶ غزلیں ۵ نظمیں ــــــــ اور

طنز و مزاح

ادب میں مارشل لا (احمد جمال پاشا)

ابوالکلام آزاد پر رشید صاحب کا مضمون عرصہ ہوا معارف میں چھپ چکا تھا۔ چھپے ہوئے مضمون کی دوبارہ اشاعت نہ صرف غیر ضروری تھی بلکہ نیگٹیزین کی روایت اور ساکھ کے خلاف بھی۔ مجنوں نے پردیسی کے خطوط میں اکبر کے بارے میں کچھ غیر مربوط سی باتیں کہی ہیں لیکن ان میں کہیں فکر انگیزی نہیں ملتی۔ نہ ہی مجنوں کا وہ خوب صورت اسٹائل ملتا ہے جس کی جھلکیاں 'آج کل' میں (۱۹۴۹ء) شائع ہونے والے ان کے بعض خطوط میں ملتی ہیں۔ وہ بقول خود اپنی نجی زندگی کی دشواریوں سے بڑی طرح مغلوب ہیں اور نئی نسل کی رو بہ ترقی زندگی سے شرمندہ ہیں کہ کچھ کر نہیں پا رہے۔ بزرگوں کو مشورہ دینا گستاخی ہے لیکن مقطع میں آپڑے تو سب جائز ہو جاتا ہے۔ مجنوں صاحب کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ ادبی تنقید سے ہٹ کر خالص ذاتی قسم کی چیزیں لکھیں جنہیں دنیا ایتے سے تعبیر کرے گی اور اردو ادب کی تاریخ میں ان کی مستقل جگہ ہوگی۔ یہ میں ان کے اسٹائل، ان کے موجودہ رجحان اور ان کے مطالعے کی وسعت کو جو تے کم آپ بلنے سے بچانے کے پیش نظر کہہ رہا ہوں۔

سرور صاحب کا مقالہ 'شاعری میں شخصیت' اردو میں بالکل اچھوتا موضوع تو نہیں لیکن جس انداز پر، ادب اور نفسیات کے گہرے مطالعے کے بعد اور پھر اس میں توازن کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ لکھا گیا ہے، اچھوتا ضرور ہے۔ موضوع کی پیچیدگی کے سبب باوجود کوشش کے مضمون الجھ کر رہ گیا ہے اور یہ دیکھ کر مضمون کی پیچیدگی کا احساس اور بڑھ جاتا ہے کہ اس میں سرور صاحب

اپنے اسلوب کی مخصوص دل کشی قائم نہیں رکھ سکے ہیں۔ موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے یہ تمام تر پیچیدگیوں کے باوجود اس شمارہ کے اہم مضامین میں سے ہے۔

علیم صاحب کا "دانتے اور اسلام" ۱۹۲۶ء کی نوشت ہونے کے باوجود علمی افادہ میں پرانا نہیں پڑا ہے۔ لنظر ثانی میں البتہ دانتے کے اطالیہ پر علمی ثقافتی اور مذہبی راستوں سے اسلام کے براہ راست اور بالواسطہ اثرات کا اجمالی تاریخی تذکرہ اس مضمون کی افادیت کو بڑھا دیتا۔ اس سے پہلے اس موضوع پر اقبال کے دوست چودھری محمد حسین ۱۹۳۷ء کے لگ بھگ ایک تفصیلی مقالہ لکھ چکے ہیں لیکن وہ جرمن زبان سے ناواقف محض تھے۔ اس لئے ثانوی مآخذ سے کام چلایا تھا اور علمی موضوعات میں ثانوی مآخذ پر بھروسہ انتہائی خطرناک ہے۔ علیم صاحب نے موضوع کو اپنے میں سموکر پھر اسے دوسروں کے سامنے پیش کیا ہے اور علمی تحقیق کا ایک اچھا معیار دیا ہے۔

گوئٹے پر اختر انصاری نے ٹامس مان کے مقالہ کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ پیش کیا ہے جس کے لئے اس میگزین میں کوئی وجہ جواز سمجھ میں نہیں آئی۔ گوئٹے کے افکار سے ہماری دلچسپی کے متعدد اسباب ہیں لیکن اس کی پیدائش اور خاندان سے دلچسپی لینے کی کوئی معقول وجہ اس میگزین کی حد تک تو سمجھ میں نہیں آئی۔ علی گڈھ میگزین میں بھرتی کا کوئی مضمون نہیں ہونا چاہیے۔

ایسے ہی "غالب کا غم"، "آتش کی شاعری میں تصوف" اور "ذوق" کسی بھی دوسرے پرچہ میں چھپ جاتے، لیکن اس میگزین کے روایتی معیار میں کہیں فٹ نہیں ہو پاتے۔ موضوع ایسا لینا چاہیے جس کے لکھنے کی

خواہش ادیب کو ایسا ہی بے چین کرتی ہو جیسے ایک شاعر کو شعری تحریک
شعر کہنے پر مجبور کرتی ہے۔ عام طور سے ہمارے ناقد اور محقق جو چیز
ہاتھ لگے داؤں پہ آجائے اس پر قلم آزما ڈالتے ہیں، موضوع کو ذہن
میں رچانا، بسانا، اس قدر کہ وہ ذہن کا ایک حصہ ہو کر رہ جائے اور اس پر
کچھ لکھ کر ایسا لگے جیسے ذہن کو مہینوں میں جا کر آسودگی نصیب ہوئی ہے
میں الہام نہیں چاہتا لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں کہ جو کچھ لکھا جائے زمانے کی
مار سے کم سے کم بیس پچیس سال تو ضرور رہی جی لے!

"شیخ اکبر اور اقبال"، میگزین کا اہم مقالہ ہے، شاید اہم ترین مقالہ
ہوتا اگر ابن عربی کے بارے میں بھی صاحب مقالہ اتنا ہی مواد تلاش
کرتے اور اتنے ہی ماخذ سے مدد لیتے جتنا انھوں نے اقبال کے سلسلے میں
کیا ہے۔ ابن عربی اپنی تاریخ اور روایات سے کٹ کر سمجھ میں نہیں آسکتے،
اس مضمون میں انہیں اگر کچھ سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تو ان کے ماضی اور حال
سے انہیں قطع و برید کر کے۔

بالکل اسی موضوع پر ("ابن عربی اور اقبال") سرور صاحب کے
مرتبہ "اقبال" (رضا کالج میگزین ۱۹۴۵ء) میں پرنسپل عبدالسلام خاں
کا قابل قدر مقالہ شائع ہو چکا ہے۔ اگر اسے بھی پیش نظر رکھا جاتا تو یہ مقالہ
اور بہتر ہو سکتا تھا۔

انور معظم کا "سرسید اور افغانی" بڑی تلاش و جستجو کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔
افغانی ان کا موضوع ہے لیکن سرسید کے ساتھ وہ انصاف نہیں کر سکتے یوں
بھی ایک کی صحت دوسرے کی گنجائش ہی کہاں چھوڑتی ہے۔ اتنے اچھے
مضمون میں ایک بات بری طرح کھٹکتی ہے، مضمون مستقل بالذات

حیثیت رکھتا تھا اس میں خلیق احمد نظامی کے پچھلے مقالہ کے نقص پر بحث کرنے کی ظاہرا کوئی ضرورت پیش نہیں آرہی تھی علمی تحقیق میں یہ نہ ہوتو اچھا ہے۔

پریم چند پر قمر رئیس کا مضمون اور آزاد پر ریاض شروانی کا مضمون حسب معمول کچھ انکشافات ساتھ لائے ہیں اور دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔

ویسے اس نمبر کا اہم ترین مضمون ڈاکٹر نذیر احمد کا ہے۔ "تاریخی تحقیق کے بعض بنیادی مسائل"،

شعرائے کرام میں خوامخواہ ادھر ادھر کے لوگوں کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت تھی جب کہ وہ کوئی بھی ایسی چیز نہ دے سکے جسے میں کئی کئی بار تو کیا دوبارہ گنگنا کر آپ کو سنانے لگ جاتا۔ اور وہی کیا خود علی گڑھ والے بھی شاعری بس ایسی ہی کر رہے ہیں ــــ

جذبی کی نظم "مجاز" کے آخری دو شعروں میں جو بات مل جاتی ہے پوری نظم میں وہ مفقود ہے۔ ان آخری دو شعروں کو چھوڑ کر باقی اشعار میں ایک کراہٹ ہے جس میں فکر و فن نے ساتھ نہیں دیا۔ جذبی صاحب کی غزل بھی ان کی پچھلی خوب صورت غزلوں کے معیار کو آگے نہیں بڑھا سکی۔

اختر انصاری، نیکش، جمیل مظہری، زبیر رضوی، شہاب سرمدی مسعود علی ذوقی، شاذ تمکنت، راہی معصوم رضا، جاوید کمال وغیرہ کی نظمیں اور غزلیں میگزین کے معیار پر پوری نہیں اترتیں جاوید کمال کے دو شعر اچھے ہیں۔ مگر وہ پچھلے میگزین اور مشرق میں شائع ہو چکے ہیں۔

ایک خلیل الرحمن اعظمی کی غزل مرصع ہے۔ عرصے کے بعد ان کی

کوئی ایسی غزل پڑھنے کو ملی ہے۔ سرور صاحب کی دس اشعار کی غزل میں
دو شعر مزے کے ہیں۔ اور نظموں میں منیب الرحمٰن کی "بغاوت" غالباً
اس سال کی بہترین نظموں میں شمار کی جا سکتی ہے، منیب الرحمٰن کا فن
ڈوب ڈوب کر ابھرتا ہے، ابھی تک ناقدوں نے اس کے فن کو سمجھنے کی
کوشش نہیں کی ہے، میرا خیال ہے وہ موضوع اور اسلوب دونوں میں
اردو شاعری کو اچھوتی راہیں دکھلا سکتے ہیں۔
اختر الایمان کی "یادیں" میگزین کی دوسری اچھی نظم ہے۔ اللہ بس

باقی ہوس!
اس نمبر کی انتخابی چیزوں میں احمد جمال پاشا کا "ادب میں مارشل لا"
بھی ہے۔ ظرافت برائے ظرافت احمد جمال سے چلتی نہیں اور تصنع پیدا
ہونے لگتا ہے۔ وہ کچھ حقائق کے بل پر چلتے ہیں تو خوب چلتے ہیں" اس
مزاحیے یا زیادہ صحیح طنزیے میں ان کے قلم پر پورا نکھار ہے۔ میں نے
ابھی تک ان کی جو تحریریں پڑھی ہیں اس میں یہی ایک ایسی ہے جس میں
مصنوعی پن کا احساس مجھ سے دور رہا۔

کچھ میگزین کی عام ترتیب کے بارے میں

مختار الدین احمد آرزو کے زمانے تک یہ روایت رہی کہ میگزین
پر جلد نمبر اور شمارہ نمبر ڈالا جاتا تھا یہ سلسلہ رشید احمد صدیقی کے زمانے
سے شروع ہوا تھا۔
ادھر چند سال سے میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر روایت کی طرح
روایت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے حالانکہ اس میں کوئی

ہرج نہ تھا اگر ہر میگزین پر سال اور شمارہ ہونے کے ساتھ ساتھ جلد کا نمبر بھی ہوتا۔ امید ہے آئندہ مرتب اپنے کو ماضی کا امین سمجھ کر پچھلے ورثے کو ٹھکرائیں گے نہیں!

اب سے سات آٹھ سال پہلے ــــ شاید خلیل الرحمٰن اعظمی کے میگزین تک ــــ میگزین کا ایک حصہ علی گڑھ میں ادیبوں شاعروں عالموں اور دانشوروں کی مصروفیات اور ان کے کئے ہوئے اور ہونے والے کام پر روشنی ڈالتا تھا۔ اتنی اہم چیز کو بے ضرورت سمجھ کر نظر انداز کیا جانے لگا ہے۔

سال میں ایک بار جو پرچہ نکلے اور ایسی جگہ سے نکلے جو اس وقت آدھے اردو ادب پر حاوی ہو، ماضی پر بھی حال پر بھی، اسے کچھ ایسے سوال چھیڑنے چاہئیں جو علمی و ادبی سطح پر لوگ اس سے توقع کرتے ہیں۔ یہ چھیڑنے والے سوال ہی اس کی مشمولات ہونی چاہئیں۔ ورنہ اس قسم کی چیزیں تو دوسرے بھی جمع کر ہی سکتے ہیں۔

علی گڑھ کی چھاپ کا تقاضہ ہے کہ نہ صرف کچھ سوال، زندہ سوال اٹھائے گئے ہوں بلکہ پچھلے سال کے سوالوں کے جواب بھی مہیا کئے گئے ہوں: مقالوں، نظموں، غزلوں کی شکل میں!

بابائے اردو کا رسالہ "افسر"

حیدر آباد پہنچ کر علی گڑھ کے گریجویٹ عبدالحق نے "عالی جناب میجر افسر الدولہ بہادر کی سرپرستی" میں ۱۸۹۹ء میں افسر کے نام جاری ایک ماہنامہ کی ادارت سنبھالی جو کم سے کم ۱۹۰۱ء کے وسط تک ضرور جاری تھا۔

قواعد و ضوابط کی رو سے اس رسالے کا مقصد "ہر قسم کے علمی اخلاقی تاریخی، فلسفی اور تمدنی و فوجی مضامین اور عمدہ کتابوں پر ریویو" شائع کرنا تھا۔ ہر ماہ سب سے عمدہ مضمون کے لئے ایک اشرفی نذر مقرر تھی۔ رسالہ شروع میں ۳۲ پھر ۴۸ اور بالآخر ۵۶ صفحات پر مشتمل تھا۔

مجھے پانچویں جلد کے دو پرچے ملے ہیں۔ نمبر ۵ اور نمبر ۶ یعنی مئی اور جون ۱۹۰۱ء کے شمارے۔ ان ہی پرچوں سے میں نے یہ بات متعین کی ہے کہ افسر کی پہلی جلد ۱۸۹۷ء کی جنوری میں شروع ہوئی ہوگی۔

مئی نمبر میں سب سے پہلے "مسئلہ ازدواج پر ایک نظر" کے عنوان سے مولوی محمد اختر کا مضمون ہے جس میں بن دیکھے اور مزاج کی ہم آہنگی کے بغیر شادی کو غیر مناسب اور غیر اسلامی بتایا ہے۔ اگلا مضمون، "عورتوں کی نسبت سر سید احمد خاں کے خیالات" مولوی محب حسین نے لکھا ہے یہ اس مضمون

کی دوسری قسط ہے اور اس کا ذیلی عنوان خواجہ سرا ہے تیسرا مضمون مولوی علی شبیر نے عراق کے صابیئن پر لکھا ہے اس کا عنوان ہے "ایک ستارہ پرست قوم" آخری مضمون حالی کی حیاتِ جاوید کا تفصیلی ریویو ہے۔ یہ ایڈیٹر کے قلم سے ہے اور عبارت کی سادگی اور پرکاری کے لحاظ سے آج بھی خاصے کی چیز ہے۔ یہ مضمون حیات جاوید کے تبصرہ کی حیثیت سے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے جس طرح اس کا تجزیہ کیا گیا ہے وہ آج کی چیز معلوم ہوتی ہے۔ یہ مضمون میں یہاں درج کر رہا ہوں۔ اس کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ عنوان ہے "اردو لٹریچر کی سب سے اعلیٰ کتاب" مولوی صاحب کا یہ مضمون شاید ان کے کسی مجموعہ میں ابھی تک نہیں آسکا ہے۔

دوسرے پرچے میں پروفیسر وی ہسٹ سک کا انعامی مضمون ہے۔ اور اس کے ساتھ وی ہسٹ سک کا تذکرہ بھی ہے۔ یہ تذکرہ چند معاصر میں آچکا ہے۔ اس وقت کے ترجمہ کرنے کا انداز معلوم کرنے کے لئے وی ہسٹ سک کے طویل مضمون کے اس ترجمہ کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ اس کے بعد ایڈیٹر ہی کے دو مضمون ہیں ایک "مصنفین کی نسبت غائبانہ خیال" اور دوسرا نظیر حسین فاروقی کی کتاب سیرت رسول کا ریویو۔ ریویو میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ "مصنفین کی نسبت غائبانہ خیال" دلچسپ مضمون ہے۔ میں اسے بھی یہاں نقل کرتا ہوں۔ بابائے اردو کی یہ دونوں یادگاریں، امید ہے، دلچسپی سے پڑھی جائیں گی۔ یہ بات مارک کرنے کی ہے کہ اس وقت سے اب تک مولوی صاحب کے اسلوب میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ ہاں جذبہ کی شدت اور بیان کی شگفتگی اس وقت نسبتاً زیادہ ہے جس کی جگہ ٹھہراؤ اور سنجیدگی نے لے لی۔

ایک بات اور چند ہم عصر میں دی ہسٹ سرکٹ کے علاوہ افسر میں چھپے ہوئے دو اور مضمون آ گئے ہیں۔ ایک مرزا حیرت پر جسے مولوی صاحب مرحوم نے اپنا مضمون نہیں مانا ہے، اور دوسرا امیر مینائی پر جسے مولوی صاحب نے سرسری مضمون کہہ کر رد کرنا چاہا ہے۔ پہلے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا کہ کس خاص مہینے یا سال میں چھپا۔ امیر مینائی والا مضمون امیر کے انتقال پر لکھا گیا ہے اور اس کے ۱۹۰۱ء کے کسی پرچے سے لیا گیا ہے۔

"اردو لٹریچر کی سب سے اعلیٰ کتاب"

"اگر کسی قوم کے لٹریچر کو دیکھ کر اس قوم کی دماغی ترقی اور تنزل کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ تو ہمیں اس کتاب حیات جاوید کے دیکھنے سے ایک گونہ تسکین ہوتی ہے اور ہم سب کے لئے نہایت مسرت کا باعث ہے کہ ہم میں ابھی کم سے کم ایک ایسا عالی دماغ شخص موجود ہے جس کی محنت و غور و فکر کا نتیجہ ایک ایسی انتخاب کتاب ہے جس کی نظیر نہ صرف اردو زبان میں بلکہ فارسی اور شاید عربی میں بھی نہیں مل سکتی۔ سرسید کا نام ہندوستان کے مسلمانوں میں ہمیشہ عزت کے ساتھ یادگار رہے گا۔ اس کا نام اس کے کام کی طرح کبھی مٹنے والا نہیں۔ لیکن سرسید کے نمبر نہیں تو دوسرے درجہ پر جس شخص کا نام زبان زد خاص و عام ہوگا وہ حالی ہے سرسید نے جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا اسے زیادہ موثر بنانے اور ان خیالات کو زیادہ حسن وخوبی کے ساتھ اشاعت کرنے میں حالی نے سحر کا کام کیا ہے لیکن اس کتاب کے لکھنے سے تو دونوں اور بھی قریب تر ہو گئے

ہیں۔ اب ان کا نام ایک ساتھ آئے گا اور ان کی حیات درحقیقت حیات جاوید ہے قطع نظر دیگر احسانات کے ان دو حضرات نے ایک بڑا احسان اردو ادب پر کیا ہے جس سے ہم کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ گو اس میں شک نہیں کہ سرسید کا نام اور کام ہمیشہ باقی رہے گا اور سب سے زیادہ رہے گا لیکن حالی کی تصانیف سرسید کی تصانیف سے زیادہ پڑھی جائیں گی۔ اور نثر میں سب سے زیادہ یہ کتاب حیات جاوید پڑھی جائے گی۔ آیا اس لئے کہ اس میں سرسید کا ذکر ہے یا اس لئے کہ یہ مولانا حالی کی تصنیف ہے۔ نہیں بلکہ یہ دونوں باتیں ایک جا ہو گئی ہیں اور اس کتاب نے دونوں کو ایک کر دیا ہے۔ ایک اگر آواز ہے تو دوسرا گونج ہے۔ اور ظاہر ہے کہ گونج زیادہ دل فریب اور خوش نما ہوتی ہے۔ ہمارے بعض قابل احباب جو ناگری دانوں کے شور و غوغا سے گھبرا اٹھے تھے، اور بعض اب تک بدحواس ہیں، انھیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اردو کی حیثیت ایسی نہیں کہ چند بے تکوں کی ہانک سے یا دفاتر کے رجسٹروں کی خانہ پری سے مٹ جانے کا خوف ہو۔ اور اگر پیشتر یہ حقیقت نہ تھی تو اب اس کتاب نے اردو زبان کا پایہ اور بلند کر دیا ہے اور اب وہ لومڑیوں کی دستبرد سے بالکل محفوظ ہے۔

مولانا حالی نے اس کتاب کے دو حصے کئے ہیں۔ پہلے حصہ میں سرسید کے کارناموں کا ذکر ہے۔ بہت سی باتیں جو اب تک کانوں تک نہیں پہنچیں اس میں نظر آئیں گی۔ اور بہت سی باتیں، جو شاید بھول بسر جاتیں اس میں محفوظ ہیں ــــ اور جو ہمارے اعمال گزشتہ کی ایک تصویر ہے۔ یہ کتاب درحقیقت مسلمانوں اور خصوصاً شمالی ہند کے گزشتہ پچاس سال کی رفتار کی ایک فلسفیانہ تاریخ ہے۔ وہ نوجوان جنھوں نے وہ وقت نہیں

دیکھا اور ایسے زمانے کی ہوا کھائی ہے جب کہ اس نامور بہادر شخص نے جہالت
اور تعصب کے پر خار اور ڈراونے جنگل کو اپنی جان ہار کوششوں اور
حیرت انگیز جاں کاہیوں سے صاف و پاک کر دیا ہے، اس کتاب کے
دیکھنے سے انہیں معلوم ہو گا کہ ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے اور وہ صرف
ایک شخص کی بدولت؛ وہ طرح طرح سے قوم کی بھلائی چاہتا تھا، اور
قوم اس کی مخالفت پر آمادہ تھی۔ وہ انہیں ہلاکت سے بچانا چاہتا تھا،
اور قوم اس کے ہلاک کرنے کی فکر میں تھی۔ اس پر ہر طرف سے لعنت ملامت
اور گالیوں کی بوچھاڑ پڑتی تھی، مگر وہ چپکا سنا کیا اور اپنا کام کرتا رہا۔ اس
نے ہزاروں جسمانی و روحانی اور مالی تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں مگر اس سخت
دل و متعصب اور بھٹکتی ہوئی قوم کو راہ پر لاکے چھوڑا اور گو یاروں نے بہت کچھ
شور و غل مچایا اور خاک اڑائی، مگر آخر مان گئے۔ اور کیا مان گئے اس کی راست
بازی، خلوص اور اعلیٰ قابلیت اور بے ریا کوششوں نے خود منوا دیا۔ یہ بڑی
کٹھن منزل ہے۔ اس میں بڑے بڑے سورما اور جواں مرد رہ گئے اور
جو اس امتحان میں پورا اترا، سمجھو کہ وہ انسان نہیں دیوتا ہے، اور جب قوم میں
وہ پیدا ہوا ہے سمجھو کہ اس پر خدا کی رحمت ہے اور اس کے دن پھر چلے ہیں۔

سرسید میں اس قدر مختلف صفات اور مختلف قابلیتیں جمع تھیں کہ
ان کی لائف کا لکھنا ہر ایک کا کام نہ تھا اور اس کتاب کے پڑھنے سے
ہمیں اور بھی وثوق ہو گیا ہے کہ سوائے مولانا حالی کے کوئی دوسرا اس
کار اہم سے عہدہ برآ نہ ہو سکتا۔ بلکہ ہمارا یہاں تک یقین ہے کہ اگر
سرسید کی لائف کا ایک ایک حصہ ہر ایک ایسے شخص کو لکھنے کے لیے
دیا جاتا جو اس فن میں ممتاز اور سر برآوردہ ہے تو بھی یہ کام اس خوبی

سے سر انجام نہ پاتا۔ کیونکہ ہم اس کا نمونہ ایم اے۔ او کالج میگزین میں دیکھ چکے
ہیں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ وہ مضمون بہت مختصر لکھے گئے تھے، اور
مولانا حالی نے بھی حتی الامکان اختصار مدنظر رکھا ہے۔ لیکن جب ہم ان کا
مقابلہ کرتے ہیں تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ ہر مضمون کا اٹھان
اور اس کا نبھاؤ جس خوبی اور حسن کے ساتھ اس کے ہر پہلو پر نظر ڈالی ہے
وہ بیان میں نہیں آسکتا۔ کہیں ہندستان کی قدیم سوسائٹی اور مغلیہ خاندان
کی زوال پذیر حالت کا بیان، کہیں غدر کا تیرہ و تاریک زمانہ اور سرسید
کی جواں مردی اور وفاداری کے حالات، کہیں مسلمانوں کی تمدن کی اصلاح
کے متعلق سرسید کے خیالات اور کوششیں، کہیں مسلمانوں اور انگریزوں کے
تعلقات پر بحث، کہیں مسلمانوں کی حمایت میں سرسید کے مساعی جمیلہ اور
انگریزوں کی بدگمانی کا رفع کرنا اور تحقیق مذاہب پر مدلل بحث، کہیں
قرآنی تفاسیر، اسلامی عقائد اور اصول، روایت اور قیاس پر محققانہ گفتگو
کہیں ہندستان کی موجودہ پالیٹکس اور سرسید کے کارہائے نمایاں اور
کہیں اردو لٹریچر اور مسلمانوں کی گزشتہ اور موجودہ تعلیم پر گہری نظر اور
اس کے متعلق سرسید کی سب سے بڑی کوشش اور احسان عظیم کا ذکر۔
غرض ہر مضمون اور ہر پہلو پر اس طرح نظر ڈالی ہے کہ اس سے بہت سی دلچسپ
اور نئی باتیں سوجھتی ہیں اور پڑھنے والے کو اس مضمون پر ایک عبور سا ہو جاتا
ہے اور جی ذرا نہیں اکتاتا۔ اور اس پر زبان کی فصاحت اور سلاست اور
زور بیان ایسا ہے جیسے سونے پر سہاگہ۔ مولانا حالی کے طرز بیان میں
ایک خاص بات ہے جس پر عام طور پر نظر نہیں پڑتی؛ اسے میں استادانہ
ضبط سے تعبیر کرتا ہوں جس سے میرا مطلب یہ ہے کہ نہ تو اس قدر بات کو

پھیلاتے ہیں کہ مضمون پھس پھسا اور پھیکا ہو کے رہ جائے اور طول ناگوار
گزرے اور نہ اس قدر مختصر کہ ادھورا اور ناقص معلوم ہو بلکہ نہایت اعتدال
کے ساتھ اپنے مضمون کو اس خوبی اور ترتیب سے بیان کرتے ہیں کہ کوئی پہلو
نظر انداز نہیں ہوتا۔ مگر پھر ضبط اس قدر ہے کہ اس کا پھیلاؤ اعتدال سے بڑھنے
نہیں پاتا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو سرسید کی لائف باوجود اس قدر مواد کے اس
خوبی کے ساتھ اتنی ضخامت میں نہ آسکتی۔ اور باوجود اس کے تحقیق و تنقید کو
ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ہمارے موجودہ مصنفین میں صرف مولانا حالی ہی
ایک ایسے شخص ہیں، جن میں کریٹی سزم (تنقید) کی قوت پائی جاتی ہے۔ اگرچہ
اس میں کچھ شک نہیں کہ مولانا حالی سرسید کے سچے قدردان اور بہت بڑے
مداح ہیں مگر ان کی لائف میں انھوں نے انصاف کو مد نظر رکھا ہے۔ نہ
بیجا طرفداری کی ہے اور نہ بیجا بدگمانی ہے۔ جہاں انھوں نے غلطی کی ہے
اسے صاف ظاہر کر دیا ہے۔ لیکن جہاں خوبیاں اس کثرت سے ہوں کہ عیب
اس کے مقابلہ میں ایسے ہوں جیسے پہاڑ کے سامنے رائی کا دانہ، تو وہاں
سوائے اس کے کہ خوبیوں کی تعریف اور اس کی مدح سرائی کی جائے اور
کیا ہو سکتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ سرسید کے احسانات ہماری قوم پر اس
قدر ہیں کہ اس کا حق کبھی ادا نہیں ہو سکتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غرض ہر پہلو
پر اس خوبی سے بحث کی ہے، اور سرسید کے منشا اور غایت کو اس عمدگی سے
بتایا ہے کہ پڑھنے والا مولف کا ہم خیال ہو جاتا ہے، اور بہت سی بدگمانیاں
جو حقیقی حالات نہ معلوم ہونے سے دلوں میں راسخ ہو گئی تھیں وہ اس کتاب
کے ایک بار پڑھنے سے جاتی رہتی ہیں خصوصاً سرسید کی مذہبی تصانیف
اور مذہبی خیالات کے متعلق جو بحث لکھی ہے وہ قابل دید ہے جو لوگ

سرسید کے مذہبی خیالات کے مخالف ہیں یا تھے۔ ان میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس صدی کے علوم و فنون کی حقیقت کو نہیں سمجھا، اور اس لئے وہ سرسید کے منشار کو نہ سمجھ سکے۔ ورنہ سرسید نے اگر کوئی بڑا کام کیا ہے تو وہ یہی ہے، اور جو کچھ ہے سب اس کے ضمن میں آگیا۔ وہ لوگ جو انگریزی پڑھ پڑھ کر اپنے مذہب میں ڈانواں ڈول تھے ان کو بتایا کہ اگر دنیا میں سچا مذہب ہے تو وہ اسلام ہے اور ان کو اسلام پر قائم کیا۔

دنیا کی مہذب اور شائستہ مذہب قومیں جو اسلام کو ایک وحشیانہ اور ذلیل مذہب سمجھتی تھیں۔ ان کے دلوں میں اسلام کی عظمت قائم کی۔ اور یہ وہ کام تھا جو نہ ہمارے جید علما سے ہو سکا اور نہ فاضل مفتیوں سے۔ گویا سرسید نے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کیا اور فتح پائی۔ اگرچہ ہم مولانا کی اس رائے سے متفق نہیں ہیں جہاں انھوں نے سرسید کے ترقیات کے اسباب پر ایک مفصل اور دلچسپ بحث کرنے کے بعد یہ رائے قرار دی ہے کہ اصل سبب ان تمام ترقیوں کا مذہب تھا۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ سرسید نے مذہب ہی سے پوچھا کہ قوم کی اصلی اور حقیقی خیرخواہی کس چیز میں ہے۔ مذہب نے جواب دیا کہ مسلمانوں کے اعزاز سے اسلام کو معزز کرنا اور دنیا کے ذریعہ سے دین کو تقویت دینی۔ یا مثلاً انھوں نے غدر سے نازک زمانے میں مذہب ہی سے یہ سوال کیا کہ قوم کی آگ میں کودنا بہتر ہے یا اپنی جان بچاکر اور کسی گوشہ میں بیٹھ کر خدا کی یاد کرنی بہتر ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ سچ ہے کہ انھوں نے یہ سوالات مذہب سے کئے مگر اس قسم کے خیالات اور سوالات، جو قوم کی اصلی اور حقیقی بہبودی کے متعلق تھے ان کے دل میں کہاں سے پیدا ہوئے اور یہ باتیں ان کو کس نے

سمجھا ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے ریفارمروں اور محسنوں کا یہی حال ہے کہ
ان کی ترقی کے اصل اسباب ایسے پیچ در پیچ اور عجیب و غریب ہوتے ہیں
کہ ایک معمولی قابلیت کا شخص جو دن رات اپنی ہی سوسائٹی میں رہتا ہے، اور
ان ہی کا ہم خیال ہے اسے دفعتہً ایسا خیال پیدا ہوا اور ایک ایسا حیرت انگیز
اور عظیم الشان کام کر دکھائے جس سے ایک عالم کو حیرت ہو اس کا جواب
کوئی نہیں دے سکتا۔

البتہ مولانا نے جو بحث سرسید کی کامیابی کے اسباب پر کی ہے وہ درحقیقت
نہایت قابل تعریف ہے۔ علاوہ امور کامیابی اور ان کی ترتیب کے جس
فصاحت اور شستگی کے ساتھ اسے بیان کیا ہے وہ اس لائق ہے کہ اسے
اردو لٹریچر کے اعلیٰ نمونوں میں شمار کیا جائے۔

ہم نے مانا کہ سرسید نے تفسیر میں بعض رکیک غلطیاں کیں، ہم نے مانا کہ
انھوں نے سوشل خرابیوں پر پوری نظر نہ ڈالی، ہم نے مانا کہ انھوں نے
حسابات کی جانچ پرتال میں لاپروائی کی، ہم نے مانا کہ بعض امور میں انھوں
نے خواہ مخواہ انگریزوں کی تقلید کی، ہم نے مانا کہ انھوں نے کالج کی دھن میں
اپنی معمولی فیاضی اور خیرات سے ہاتھ کھینچ لیا، دوسرے مدرسوں کو نفرت سے
دیکھا اور اچھوں کو برا اور بروں کو اچھا بنا دیا، ہم نے یہ بھی مانا کہ جو کچھ اس
نے کیا شہرت کی وجہ سے کیا۔ مگر اس نے وہ کام ایسے چھوڑے ہیں کہ اگر
روح کوئی چیز ہے یا نیک و بد کام کا اثر یقینی شے ہے، تو یہ دنیا مٹتے مٹ جائے
مگر اس کے یہ کام کبھی نہ مٹیں گے۔ یہاں نہیں تو کسی دوسرے عالم میں اور
وہ آفتاب و ماہتاب بن کر چمکیں گے۔ اس کا سب سے بڑا اہم بالشان
اور قابلِ قدر کام یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے مردہ دلوں میں ایک تحریک

پیدا کردی؛ انھیں خواب خرگوش سے جگایا، گمراہ سے راہ پر لایا اور ان کے
دلوں میں تحقیق کا مادہ پیدا کیا اور بقول ٹینی سن کے یہ بتایا کہ
"ایک سچے شبہ میں دنیا کے نصف مذاہب سے زیادہ ایمان ہوتا ہے"
تب مثل آدم اول کے ان کی آنکھیں کھلیں اور انھوں نے دیکھا کہ ہم کیا ہیں۔
اور کہاں ہیں۔ گو اب رستہ صاف اور ہموار ہے اور ترقی کی راہیں کھلی ہیں لیکن
بنا اس نے ڈالی اور دلوں میں حرکت اس نے پیدا کی۔ اس لئے وہ سب سے
زیادہ قابل تعریف اور قابل قدر ہے اور یہی کام ہے بڑے بڑے ریفارمروں
مجددوں، صاحبدلوں اور پیغمبروں کا۔ وہ لوگوں کے دلوں میں حرکت پیدا
کرتے ہیں اور وہ حرکت سمندر کی طرح ایک سرے سے دوسرے سرے
تک پہنچ جاتی ہے جس کا تموج سمندر کے تموج سے کہیں زیادہ ہلا دینے والا
اور قائم رہنے والا ہوتا ہے۔ دوسرا کام خود اس کی زندگی ہے جو باوجود دنیا اور
اہل دنیا میں رہ کر سارے بکھیڑوں اور دھندوں میں پھنس کر پھر بھی ایسی
ہی پاک صاف ہے جیسے کسی بڑے سے بڑے پارسا کی ہو سکتی ہے۔ اور پھر
ایسی زندگی جس کا ایک ایک لحظ دوسروں کے فائدے اور غیروں کی ہمدردی
میں صرف ہوا جس نے خودی کو مٹایا اور اپنے آپ کو ملک اور قوم پر قربان
کر دیا۔ یہ زندگی ہم سب کے لئے راہ نما ہے، اور یہ کتاب اس زندگی کا
نقش قدم ہے جو اس راہ پر چلنے والوں کا سہارا اور بھولے بھٹکوں کا آسرا
ہے۔ جو شخص اپنی زندگی کو مفید بنانا چاہتا ہے اور اپنے ابنائے جنس کے لئے
کچھ کرنا چاہتا ہے وہ اس کتاب کو پڑھے کیونکہ اس میں ایک پاک اور اعلیٰ
زندگی کے نشان ہیں۔
جب ہم اس کتاب پر بحیثیت لٹریچر کے نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے

ہیں کہ اس کی خوبیاں اور بھی بڑھی ہوئی ہیں۔ اس وقت مولانا حالی کی یہ آخری تصنیف ہے۔ اور زبان کی پختگی، شستگی اور زور بیان میں خود مولانا حالی میں باوجود قدرت اور وسعت کے ایک اس قسم کا اعتدال ہے کہ جس سے نہ تو بیان کی قوت میں فرق آتا ہے اور نہ اس میں بے جا لفاظی اور بے جا جوش و خروش ہوتا ہے کہ جس سے بجائے اس کے کہ بیان میں قوت اور کلام میں اثر پیدا ہو، ہر طرح ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ غرض وہ اپنے تشبیہات و استعارات میں ہمیشہ اپنے آپ کو سنبھالے رہتے ہیں اور کبھی اعتدال سے نہیں بڑھتے اور اسی میں ان کی کامیابی کا گر ہے۔

مولانا حالی نے اس کتاب کے لکھنے میں پورے چھ برس صرف کئے ہیں۔ اور دن رات اسی دھن میں رہے ہیں اور اس قدر وسیع اور کثیر مواد جمع کیا ہے کہ جسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور پھر تمام معاملات پر نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بحث کی ہے۔ یہ جادو نگاری مولانا حالی پر ختم ہے دوسرے کے قلم میں اتنا بوتا نہیں۔ یہ کتاب اردو لٹریچر میں اس وقت سب سے اعلیٰ اور بے نظیر ہے اور اگر یہ ہاتھوں ہاتھ نہ بکی اور تابڑ توڑ کئی ایڈیشن نہ چھپے تو سمجھنا چاہئے کہ مسلمانوں سے زیادہ ناقدردان دنیا میں کوئی قوم نہیں۔

البتہ اس کتاب کے متعلق ایک ذرا سا اعتراض ہمیں ضرور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مولانا نے کہیں کہیں انگریزی الفاظ کو کھپایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ نہایت عمدگی کے ساتھ ان کا استعمال کیا ہے لیکن ان اردو دانوں کو جو انگریزی سے محض ناآشنا ہیں (استثنا مولانا حالی) بڑی دقت سمجھنے میں پڑے گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ جن الفاظ کے لئے ہمارے یہاں ہم معنی الفاظ نہیں ان کا استعمال کرنا ناگزیر ہے اور وہ ضرور استعمال کرنے چاہئیں۔

لیکن جب ان کے ہم معنی الفاظ موجود ہوں، تو پھر خواہ مخواہ انگریزی الفاظ کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ غالباً اس سے اردو الفاظ کا ذخیرہ بڑھانا اور کلام میں قوت پیدا کرنا مقصود ہے۔ فقط

عبدالحق"

(۳)

"مصنفین کی نسبت غائبانہ خیال"

دھوکے دنیا میں طرح طرح کے ہوتے ہیں لیکن مصنفین جو دنیا کے عجیب فرقوں میں سے ہیں، ان کی نسبت دھوکہ بھی عجیب قسم کا ہوتا ہے جب ہم کسی مصنف کے کلام کی بہت زیادہ قدر کرتے ہیں اور اسے ذوق شوق سے پڑھتے ہیں، تو پڑھتے پڑھتے اس کی صورت، اخلاق و عادات اور گفتگو کے متعلق ایک تصویر ہمارے ذہن میں کھنچ جاتی ہے۔ اور ایک حد تک ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ ہمارا مصنف ایسا ہوگا۔ اور ساتھ ہی جب کسی کے کلام کی قدردانی کی یہ حالت ہو تو خود مصنف سے بھی ملاقات کرنے کا بہت اشتیاق ہوتا ہے۔ لیکن ملاقات کے بعد اکثر ایسا ہوا ہے کہ یا تو ہمارا پہلا عقیدہ جاتا رہا یا جو ہم سمجھے ہوئے تھے اس کے بالکل برعکس نکلا۔ غرض دونوں حالتوں میں مایوسی ہوتی ہے خصوصاً، ہمارے شاعروں کے متعلق یہ دھوکہ اکثر ہوتا ہے، کیونکہ ہماری شاعری ایک خاص ڈھرے پر چلی آتی ہے۔ وہی مضمون اور وہی باتیں بار بار باندھی جاتی ہیں، خواہ مذاق کے موافق ہوں یا نہ ہوں۔ اور اس لئے ان کے کلام سے شاعر کی طبیعت اور حالات کا اندازہ کرنا کسی قدر مشکل ہے مثلاً

آنکھیں دکھلاتے ہو جوبن تو دکھاؤ صاحب وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے

نکلے ہی پڑتے ہیں محرم سے اچکے دیکھو
شرم کی بات ہے تم ان کو دباتے بھی نہیں

یہ دو شعر پڑھ کر کیا کوئی گمان کر سکتا ہے کہ ان کا لکھنے والا ایک مقدس بزرگ، پابند شریعت، نہایت متین اور پاکباز آدمی ہے اور جو شخص اس قسم کے اشعار پڑھ کر پہلی بار ان سے ملاقات کرے گا، دل میں کیا خیال کرے گا۔ جو تصویر اس نے اپنے ذہن میں کھینچ رکھی تھی، وہ دم بھر میں محو ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہمیں اپنی شاعری میں اکثر اوقات ایسی باتیں لکھنی پڑتی ہیں جنھیں خود ہمارا دل جھٹلاتا ہے۔ بعض اوقات قافیہ نبھانے کے لئے اور بعض دفعہ تلازمہ یا ضلع جگت کے خیال سے اور کچھ تغزل کا رنگ قائم رکھنے کے لیے ہمارے شاعر ایسی ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں کہ پڑھنے والا ان کی نسبت کچھ اور ہی خیال کر لیتا ہے۔

تحریر و تقریر میں ظاہر ہے کہ بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو لکھنے خوب ہیں مگر تقریر ان کی سنو تو بالکل نکمی۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ تقریر سنو تو معلوم ہو کہ بڑے علامہ ہیں مگر جب لکھنے بیٹھے تو حقیقت کھل گئی۔ بعض مصنفین جن کے کلام کے ہم والہ و شیدا ہوتے ہیں، ملاقات کے وقت جب ہم ان کی باتیں سنتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ ایک ایسا معمولی شخص اتنا بڑا مصنف کیونکر ہو سکتا ہے، اور جس قدر ملنے کا چاؤ تھا اسی قدر مایوسی ہوتی ہے۔

مصنفین میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں حیا اس قدر دامنگیر ہوتی ہے کہ بات کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔ اور علاوہ حیا کے ان کی نظر اپنے عیوب و نقائص پر بھی ہوتی ہے، اور اس لئے اپنے خیالات کے جمع کرنے

مضمون کے ترتیب دینے، یا دلائل پیش کرنے اور بیان مقصد میں گھبرا جاتے ہیں اور تقریر کرنے میں کچپاتے ہیں۔ اور سننے والا ان کے بیان سے کوئی کام کی بات اخذ نہیں کر سکتا۔

ان کے برعکس بعض مصنفین ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں اپنی لیاقت اور فضیلت پر بے انتہا وثوق ہو جاتا ہے اور اس لئے بہت گستاخ منہ پھٹ اور بے ادب ہو جاتے ہیں۔ دیکھنے والے کو حیرت ہوتی ہے کہ ایک ایسا قابل مصنف اس قدر بدتمیز ہے۔ انگریزی میں ایک مثل ہے کہ "تمیز انسان کو انسان بناتی ہے"۔ یہ سچ ہے، مگر افسوس ہے کہ شہرت اور عزت بھی ایک بڑے سے بڑے شخص کو تمیز نہیں سکھا سکتی۔ ان لوگوں کی بدتمیزی دیکھ کر افسوس بھی ہوتا ہے اور حیرت بھی ہوتی ہے شاید یہ لوگ تالیف وتصنیف کے شغل اور کتب کے مطالعہ میں اس قدر منہمک رہتے ہیں کہ انھیں انسانی اطوار کے مطالعہ کا موقع نہیں ملتا۔ جو طبیعت کے نرم ہوتے ہیں وہ شرمیلے رہ جاتے ہیں، اور جن کے دل قوی ہوتے ہیں وہ گستاخ اور بدتمیز ہو جاتے ہیں۔

مصنفین میں ریا بہت بڑا بہت عیب ہے یعنی دل میں کچھ اور قلم سے کچھ نکلتا ہے، صرف اس ڈر سے کہ ہم بدنام نہ ہو جائیں یا ہماری وقعت میں فرق نہ آجائے۔ یہ لوگ مصنفین میں سب سے ذلیل ہیں اور ہرگز قابل وقعت نہیں بعض مصنفین نہایت قابل اور فاضل ہوتے ہیں۔ مگر ایسے خفیف الحرکات اور عامیانہ خیال کے ہوتے ہیں کہ ملاقات کے بعد جب ان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے تو سخت نفرت ہو جاتی ہے اور ان کی ساری وقعت خاک میں مل جاتی ہے۔ یہ امر درحقیقت نہایت قابل افسوس ہے، کیونکہ انسان کے اخلاق اس کے علم وفضل سے کہیں زیادہ قابل قدر ہیں۔

لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ جو کچھ کہا جائے یا لکھا جائے اس پر عمل بھی ہو۔ ہونا تو یہی چاہیئے۔ اصل وقعت اور عظمت اسی میں ہے کیونکہ جب معلوم ہو جاتا ہے کہ عمل کر سکتے ہیں اور نہیں کرتے، یا جو کچھ لکھتے یا کہتے ہیں اس میں خلوص اور سچائی نہیں تو ان کی عظمت دل میں نہیں ہوتی، اور فصیح سے فصیح تقریریں اور اعلیٰ سے اعلیٰ تحریریں کچھ اثر نہیں کرتیں۔

کیا مصنفین دوسرے لوگوں سے کچھ نرالے ہوتے ہیں؟ صرف ایک لحاظ سے۔ یعنی بخلاف دوسروں کے ان کی نسبت دو قسم کے خیالات اور دو قسم کی ملاقاتیں ہوتی ہیں ایک حضوری کی اور ایک غیبت کی۔ اور اسی میں خوبی اور اسی میں ان کی خرابی ہے۔"

حیدر آباد کے محمد اکبر الدین صدیقی صاحب نے مزید بیش بہا معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:

"رسالہ افسر کی دوسری اور تیسری جلد کا کوئی شمارہ دستیاب نہ ہو سکا۔ البتہ اس کے متعلق مانک راؤ وٹھل راؤ نے اپنی تاریخ "بستان آصفیہ" میں ذیل کی عبارت تحریر کی ہے۔

"ابتداء میں مولوی محب حسین صاحب ایڈیٹر معلم نسواں" دو سال تک ایڈیٹر رہے چند روز کے لئے رسالہ بند ہو گیا، بعد ازاں مولوی عبدالحق بی' اے کے زیر ایڈیٹری شائع ہونا شروع ہوا۔ تقریباً دو سال تک جاری رہ کر دوسرے بار بند ہو گیا۔ عام خریداروں سے سالانہ (للعہ) روپیہ قیمت مقرر تھی۔"

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۹۸ء میں بھی یہ نکلتا رہا اور ۱۸۹۹ء میں

کچھ دنوں کے لئے بند ہوا۔ ممکن ہے ایک دو شمارے نہ نکلے ہوں، پھر بابائے اردو کی ادارت میں نکلنے لگا۔ اور محب حسین دو سال نہیں بلکہ تین سال ایڈیٹر رہے کتب خانہ سالارجنگ میں اکتوبر ۱۸۹۹ء کا شمارہ نکل آیا۔ یہ تیسری جلد کا دسواں شمارہ ہے۔ ممتاز جنگ کے زیر اہتمام محب حسین صاحب نے ترتیب دیا ہے۔ اور حیدرآباد پریس ہی میں چھپا ہے اور تیئیس صفحات پر مشتمل۔ پچھلے شماروں کی طرح ان مضامین کو بھی محب حسین صاحب ہی نے لکھا یا ترجمہ کیا ہے البتہ ایک اہم عبارت بابائے اردو کے تعلق سے اس کے آخری صفحہ پر ملتی ہے۔ کہ "یہ رسالہ .... ۔ اس کے متعلق تمام خط و کتابت جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے (لینڈڈون ٹرسٹ) ہیڈ ماسٹر مدرسہ آصفیہ ملک پیٹ سے کرنا چاہئے"۔ محمد عطا منیجر دفتر۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب نے افسر کی ادارت جنوری ۱۹۰۰ء ہی سے قبول کی لیکن اکتوبر ۱۸۹۹ء سے ان کا تعلق افسر سے ہو گیا تھا۔

نومبر دسمبر ۱۸۹۹ء کے درمیانی دو مہینے رسالہ شائع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، ان میں کسی شمارے تک رسائی نہ ہو سکی۔

"۱۹۰۰ء کا مکمل فائل جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں ادارے کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ چوتھی جلد ہے اس کے سرنامہ پر لکھا ہے۔

آنچہ دانی بشمار آنچہ نہ دانی بشنو"

اس کے بعد جلی قلم سے رسالہ کا نام اور قدرے خفی قلم سے جلد ۴ یکم جنوری سنہ ۱۹۰۰ء عدد ۱، ایک سطر میں پھر دوسری سطر میں ایڈیٹر عبدالحق۔ بی۔ اے تحریر ہے۔ ساتھ ہی مضامین کی فہرست دے دی گئی ہے جس میں ۱ سید نظیر شاہ وارثی کی نظم حکمت ظاہری و باطنی ہے سب سے اچھی نظم ہونے کی وجہ سے

اس پر ایک اشرفی نذر کی گئی ہے۔ یہ پہلی نذر ہے۔ جو افسر کی جانب سے دی گئی ہے۔ دوسرا مضمون دارالعلوم اسلامی نواب عمادالملک کا ہے اور تیسرا فوجی مضمون سگنلنگ کا استعمال محب حسین صاحب ایڈیٹر معلم نسواں کا ترجمہ ہے۔ آخری سطر نہایت جلی قلم میں مطبوعہ حیدرآباد پریس متصل پل چادرگھاٹ بازار جیسے امیاں حیدرآباد دکن تحریر ہے۔

حکمت ظاہری و باطنی کی ابتدا میں حضرت بے نظیر شاہ وارثی پر ایک تعارفی نوٹ لکھا ہے۔ دوسرے مضمون دارالعلوم اسلامی یعنی محمڈن یونیورسٹی کے ساتھ بھی تعارفی نوٹ موجود ہے۔ یہ مضمون کافی طویل ہے۔ سگنلنگ کا استعمال دوسری قسط ہے۔ یونیورسٹی والا مضمون ۲۷ صفحات کا ہے۔ اور سگنلنگ کا دس صفحات یعنی ۳۹ تا ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ گویا اب افسر ۳۲ صفحات کی بجائے ۴۸ کا شائع ہونے لگا۔

دوسرے شمارے میں پہلا مضمون مولانا ظفر علی خاں کا اشرف المخلوقات ہے۔ یہ مضمون حیاتیات پر ہے اور بیس صفحے کا ہے آخر میں باقی آئندہ تحریر ہے۔ دوسرا مضمون "عالم بالا" مولوی عبدالحق صاحب کا تحریر کردہ ہے جس کے پندرہ صفحے ہیں۔ تیسرا ایک ایڈریس ہے۔ جو افسران فوج کی جانب سے مرحوم اعلیٰ حضرت نظام دکن کی خدمت میں پیش ہوا۔ اس کا جواب بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔

اس شمارے کے تین جز اس طرح مکمل ہوتے ہیں۔ صفحوں کے نشانات میں تسلسل قائم رکھا گیا ہے یعنی ۴۸ کے بعد دوسرے شمارے کے آغاز پر ۴۹ تحریر ہے اور مارچ ۱۹۰۰ء کا تیسرا شمارہ ۹۷ سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں پہلا مضمون سگنلنگ کا اور دوسرا اشرف المخلوقات کا حصہ ہے۔

"چلتے ہوئے چنے" کے عنوان سے مولوی عبدالحق صاحب کا ڈیڑھ صفحے کا مضمون ہے اور اس کے ساتھ ہی صفحہ ۱۲۹ سے "ہلال اور تارا" کے عنوان سے مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ یہ مضمون حاجی محمد اسمٰعیل خاں ایڈیٹر معارف کے جواب میں ہے۔ اس مضمون کے بعد ایک کتاب اخوان الشیاطین پر تبصرہ اور پھر انجمن علمائے علوم شرقی بمقام روما کے متعلق مولوی صاحب ہی کی تحریر کردہ رپورٹ ہے۔ صفحہ ۱۳۸ تا ۱۴۴ "حسن نظر" کے عنوان سے عبدالجلیل نعمانی کی پہلی قسط ہے اور تیسرا شمارہ ختم ہوتا ہے۔

چوتھا شمارہ "سگنالنگ کا استعمال" سے شروع ہوا ہے دوسرا مضمون نظیر حسین فاروقی کا "فلسفۂ قیافہ" ہے اور تیسرا محب حسین صاحب کا ترجمہ کردہ "سوسائٹی اور گورنمنٹ" کے عنوان سے ہے۔ چوتھا پروفیسر محمد عبدالغفور شہباز کا قصیدہ ہے۔ (۱) مدرسۃ العلوم علی گڑھ اور جدید انتظام۔ (۲) اوپر کی آمدنی۔ (۳) نواب عماد الملک کی فیاضی اور حاجی ریاض الدین صاحب کے اخبار الریاض پر تبصرہ مولوی عبدالحق صاحب کے قلم سے ہیں۔ حسن نظر کا تکملہ اس شمارے کی آخری نظم ہے۔

مئی ۱۹۰۰ء یعنی پانچویں شمارے میں پہلا مضمون "انگریزوں کا پہلی دفعہ دہلی پر قبضہ کرنا" ہے۔ یہ ایک انگریزی لکچر کا ترجمہ ہے جو میجر جنرل ہیرفورڈ ٹیوٹ نے ۷ ستمبر ۱۸۹۹ء کو یونائٹیڈ سروس انسٹی ٹیوشن کلب شملہ میں دیا تھا یہ ترجمہ محب حسین صاحب نے کیا ہے۔ دوسرا مضمون مولوی چراغ علی مرحوم کا ہے جس کے آخر میں مولوی عبدالحق صاحب کا نوٹ بھی ہے "گورنمنٹ اور سوسائٹی" پچھلے سلسلے کی کڑی ہے۔ آخر میں مولوی صاحب نے سفرنامہ بانورا مصنفہ حسام الدین صاحب ایڈیٹر کشف الحقائق پر تبصرہ کیا ہے۔

چھٹے شمارے میں محب حسین صاحب کے دو مضمون "جنگی تاریخ" اور "گورنمنٹ اور سوسائٹی" شامل ہیں۔ ایک مضمون حروف مقطعات و علامات معدنی آلات تحریر یعنی طبع نظام الدین حسن صاحب کا تحریر کردہ ہے۔ ٹائپ کے سلسلے میں یہ ابتدائی تجربہ ہے۔ عبدالغنی صاحب نے "مبارک لڑکیاں" کے زیر عنوان ایک مضمون لکھا ہے "سنہ ہجری کی تحقیق" اور "اب مردوں کی ضرورت نہیں رہی" مولوی صاحب کے تحریر کردہ ہیں جدید اردو علم ادب کے مشہور مصنفین اور الہارون مترجمہ مصباح الدین صاحب پر تبصرہ بھی لکھا ہے اس شمارے میں آخری نظم مقامات کے عنوان سے حضرت سید بے نظیر شاہ وارثی کی مثنوی ہے جو ان کی طویل مثنوی جواہر بے نظیر میں شامل ہے۔

ساتویں شمارے میں پہلا مضمون محب حسین صاحب کا ہے جو "دنیا کی پندرہ مشہور لڑائیوں" سے ترجمہ ہوا ہے۔ دوسرا مضمون "قوموں کی پندرہ مشہور علامتیں اور زوال کی نشانیاں اور اسباب" پر ہے جس کو خواجہ غلام الثقلین نے لکھا ہے اس مضمون کے متعلق مولوی صاحب نے ادارتی نوٹ میں لکھا ہے کہ یہ مضمون ۱۳۰۶ف میں حیدرآباد سٹی ایسوسی ایشن کے ایک جلسے میں بطور لکچر کے پڑھا گیا تھا اور پھر مدرسۃ العلوم علی گڈھ میں ری لکچر دیا گیا۔ حال میں علی گڈھ میگزین کے کئی نمبروں میں چھاپا گیا ہے مگر اتفاقاً بہت سی غلطیاں چھپنے میں رہ گئی تھیں۔ اس لئے اب ترمیم، اصلاح اور اضافے کے ساتھ اور مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ چھاپا جا رہا ہے۔ اس مضمون کے اختتام پر ۵ محرم ۱۳۱۵ھ تاریخ درج ہے۔ اس شمارے کا آخری مضمون "گورنمنٹ" ہے جس کو شمس العلماء ذکاء اللہ دہلوی نے لکھا ہے۔

آٹھویں شمارے میں سید بے نظیر شاہ وارثی کی نظم "چاندنی رات کا

سماں" پیش کرنے سے پہلے شاعر سے متعلق ڈھائی صفحے کا ادارتی نوٹ ہے۔ دوسرا مضمون "اردو ناول پر ایک نظر" عزیز مرزا صاحب کا ہے۔ یہ مضمون مولانا ظفر علی خاں کی "سیر ظلمات" (ترجمہ رائیڈر ہیگرڈ) کا تعارف ہے۔ اس کے بعد "اخلاقی قوت غیر فانی ہے" کے عنوان پر منور خاں کا مضمون ہے۔ چوتھا مضمون جنگی تاریخ بسلسلہ گزشتہ ہے اور پانچواں عبدالغنی رافت نے مدرسے کے بچوں کے خیالات پر لکھا ہے، اس کے بعد دو مضمون مولوی صاحب کے قلم سے ہیں۔ ایک "اردو اخبارات کے ایڈیٹروں کو نیک صلاح اور دوسرا اردو طرز تحریر جس کا تعلق نظام الدین حسن صاحب کے شائع شدہ مضمون سے ہے۔

افسر کی چوتھی جلد کا نواں شمارہ حضرت بے نظیر شاہ وارثی کے فارسی قصیدہ سے شروع ہوتا ہے جس کا مطلع ہے۔

محبت کشور سے بہ جاں افگند   سراشہد اندر وہاں افگند

اور اس کے بعد ہی حضرت بے نظیر شاہ کی مثنوی "برسات" ہے تیسرا مضمون "چہرہ شہنشاہ بیگم چین" (ریویو آف ریویوز لندن) سے مولوی صاحب نے اپنے رسالہ کے لئے ترجمہ کیا ہے یہ طویل ہونے کے باوجود بے حد دلچسپ ہے جس میں انداز تحریر کو بھی بڑا دخل ہے۔ آخر میں مولوی صاحب نے اپنے دوست مولانا ظفر علی خاں کی کتاب "سیر ظلمات" پر تبصرہ کیا ہے۔

دسویں شمارہ کا پہلا مضمون خیر الدین کپتان پاشا، قطب الدین علی تسلی کا ترجمہ ہے۔ یہ انجمن آصفیہ کے سکریٹری تھے۔ دوسرا مضمون کوچ بہار کی رانی کیشب چندر سین کی لڑکی سونی تی دیوی پر عبدالغنی رافت نے لکھا ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے "پروفیسر مرزا حیرت کے مختصر حالات" لکھے ہیں جو ان کی کتاب "چند ہمعصر" میں شامل ہے۔ پھر دیوان مجروح پر ایک نہایت تفصیلی تبصرہ ہے۔

گیارہواں مثنوی گرامی (غلام قادر) بطرز مثنوی مولانا روم سے شروع ہوتا ہے جس کا تین صفحوں میں مولوی صاحب نے تعارف کرایا ہے۔ اس کے بعد جنگی تاریخ کا سلسلہ ہے اور پھر فرنگی حجاج پر علی تنبیر صاحب کا تفصیلی مضمون ہے جو بعد میں کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ آخر میں حضرت سید بے نظیر شاہ وارثی کی مثنوی "صبح" شریک ہے۔

چوتھی جلد کے آخری شمارے میں پہلا مضمون جنگی تاریخ کا سلسلہ ہے۔ دوسرا قطب الدین علی تسلی کا لکھا ہوا مضمون "پیرانہ سالی" ہے اس کے بعد "انسان کا نشوونما" کے عنوان سے عبدالغنی خاں رافت کا مضمون ہے پھر "فوجی افسر کیسا ہونا چاہیے" کے عنوان سے گولکنڈہ کے ایک کیڈٹ نے اپنے خیالات نہایت تفصیل سے مثالوں کے ساتھ واضح کیے ہیں۔ اس جلد کے آخری شمارے کا آخری مضمون امیر مینائی کے حالات ہیں جس کو مولوی صاحب نے لکھا ہے۔

اس جلد کے بارہ پرچوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ افسر جنگ بہادر کے ایما پر فوجی یا حربی قسم کے کسی نہ کسی مضمون کا ہر شمارے میں شریک رہنا ضروری تھا۔ ملک کے بڑے بڑے ادیب اور اہل قلم اس کے مضمون نگاروں میں شامل تھے۔ اور مولوی صاحب اس کو نہایت پابندی سے شائع کرتے تھے۔

مولانا حالی کے خط افسر کے بارے میں

"۲۸ نومبر ۱۹۰۱ء۔ مئی۔ جون ۱۹۰۱ء کا افسر پہنچا، اس میں حیاتِ جاوید پر آپ کا ریویو دیکھا۔ جو کلمات بہ تقاضائے محبت تصنیف و مصنف کے حق میں بے اختیار قلم سے ٹپک پڑے ہیں، اگرچہ میں اپنے تئیں اس کا مستحق نہیں سمجھتا، لیکن بہر حال آپ کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض جانتا ہوں۔ یہ وہی خصلت ہے جس کو اہلِ ایران یار فروشی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، اور ہماری زبان میں پیر کٹا کر کے بیچنا کہتے ہیں۔ مئی کے پرچے میں مسئلہ ازدواج پر مولوی محمد اختر صاحب کا مضمون چھپا ہے، اس کی کچھ تعریف نہیں ہو سکتی۔ نہ صرف میں نے بلکہ جس شخص نے اس کو دیکھا ہے حد سے زیادہ پسند کیا۔ حیاتِ جاوید پر آپ کے ریویو کی تعریف مجھ کو زیبا نہیں ہے، ورنہ مثل وہی ہو گی
"من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو"

"۱۰ جولائی ۱۹۰۲ء۔ گیا افسر بالکل بند ہو گیا۔ ہندوستان میں کوئی عمدہ رسالہ نہیں چل سکتا۔ معارف، ادیب، حسن اور دیگر عمدہ عمدہ میگزین چند روز کی ہوا کھا کے نوبت بہ نوبت راہیِ ملکِ عدم ہو گئے۔ پھر افسر کے چلنے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ جس چیز کی خریداری کا مدار زیادہ تر طالبوں پر ہو گا، اس کا رواج اور فروغ پانا معلوم!"

(مولوی عبدالحق کے نام: قومی زبان ۶۸ء میں مطبوعہ)

دکن ریویو

اکبر کا ایک خط جو ۱۰ ستمبر ...

خاص طور

مولانا آزاد

بارے اس

میر اقبال کی ایک

اور اصلاحی عمل

سے ظاہر کر دیا ہے۔

۱۹۰۴ء کی جنوری میں دکن ریویو کا پہلا پرچہ شائع ہوا۔ ۱۹۰۴ء تک مولانا ظفر علی خاں "افسانہ" نکال رہے تھے۔ جنوری ۱۹۰۴ء سے ان کے اپنے الفاظ میں "افسانہ" کو دکن ریویو کے ساتھ ضم کر دیا گیا۔ بات صحیح یوں ہے کہ نیا رسالہ دکن ریویو کے نام سے نکلا تو اس میں افسانہ اور دکن ریویو لکھ کر گویا افسانہ کا نام جاری رکھا گیا اور کام بھی اس حد تک جاری رہا کہ ناول کا ترجمہ اب بھی چلتا رہا۔

افسانہ کو زندہ رکھنے کے لئے دکن ریویو کی پہلی جلد کو دوسری جلد کا نام دے دیا گیا تھا کہ سلسلہ افسانہ ہی سے چلے۔ پہلی جلد کے چار شمارے، جنوری، فروری، مارچ اور مئی نمبر صولت پبلک لائبریری رامپور میں محفوظ ہیں جن میں ٹائٹل ہی پر یہ بات ظاہر کر دی گئی ہے کہ افسانہ بھی شامل ہے۔ یعنی کم سے کم اس دوسری جلد کی رو سے اور اس دوسری کی حد تک دکن ریویو اور افسانہ یکجا شائع ہوتے تھے۔ افسانہ والے حصے میں ۱۹۰۳ء میں ایڈیٹر کا "فسانۂ لندن" جلد اول بالاقساط شائع ہوتا رہا ہوگا۔ اس جلد میں ۱۹۰۴ء میں "فسانۂ لندن" کی جلد دوم ہے۔ دکن ریویو کے ان پرچوں میں شبلی کا

"تزک جہانگیری اور جہانگیر" (جنوری تا مارچ) ایک فارسی نظم بعنوان "دکن" (جنوری) اور علی گڈھ منتھلی میں مطبوعہ "ریڈیکل" کے مضمون "احیاء علوم عربیہ" کا جواب (مئی)۔ سید محفوظ علی کے مضامین شہاب ثاقب (جنوری) اور تقلید کا اثر اقوام کے نشوونما پر (مارچ) عزیز مرزا کا مضمون "صنعت وحرفت کی تعلیم کی ضرورت" (مارچ) اور بوعلی سینا پر ظفر علی خاں (ایڈیٹر) اور حکیم اجمل خاں کے مضامین (جنوری، فروری) قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ مئی کے شمارے میں "اردوئے معلیٰ" "علی گڈھ" کی اصلاح" کے عنوان سے کسی صاحب "نقاد" کا ایک مضمون ہے جس پر ایڈیٹر نے حسرت موہانی سے معذرت چاہی ہے۔ مارچ نمبر میں :۔

اقبالیات اقبال کی ایک نظم "پروانہ وشمع" کے عنوان سے شامل ہے۔ یہ ۲۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ بانگ درا میں اصلاح کے بعد یہ نظم "رخصت اے بزم جہاں" کے نام سے آئی اور اس میں صرف ۱۲ شعر رہ گئے۔ اپنی اصل شکل میں یہ نظم "بانگ درا" کے متوازی حیدرآباد سے عبدالرزاق صاحب کے اہتمام سے جو کلیات شائع ہوئی، اس میں "بیراگ" کے عنوان سے موجود ہے۔

اشتہارات کے ذیل میں بعض کام کی باتیں مل جاتی ہیں۔

فروری ۱۹۰۴ء کے پرچے میں مخزن لاہور، زمانہ بریلی [(الشتہر داروغہ مہاراج پرشاد) یہ وہی زمانہ ہے جو بعد میں کانپور چلا گیا]۔

اخبار زمیندار لاہور (مالک و ایڈیٹر سراج الدین احمد۔ یہ اخبار جون ۱۹۰۳ء سے نکلنا شروع ہوا) اور ہفتہ وار پنجۂ فولاد لاہور (محمد الدین فوق) کے اشتہارات ہیں۔

مئی کے شمارے میں اشتہارات، زیادہ بھی ہیں اور اہم تر بھی ان میں بعض دوسری مطبوعات اور اخبار و رسائل کے علاوہ لسان الصدق کے مالک و ماعلیہ پر مولانا ابوالکلام آزاد کے قلم سے مشتہرہ ایک اشتہار سے تفصیلی روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ خیابانِ فارس۔ کرزن کے سفرنامۂ ایران کا اردو ترجمہ صـ۶۲-۶۳

۲۔ سیر ظلمات۔ ہیگرڈ کے ناول کا ترجمہ از ظفر علی خاں صـ۳۵۱

۳۔ ارکانِ اسلام

۴۔ ہفتہ وار 'الحکم' معہ ضمیمہ انگریزی۔ المشتہر مرزا محمد ہادی بی۔اے ایڈیٹر الحکم، گولہ گنج، لکھنؤ۔

۵۔ ماہنامہ مسیحا صـ۳۶ (امرتسر)

۶۔ ماہنامہ 'قوم'، نیچے پھر جو جنوری ۱۹۰۳ء سے جاری ہوا صـ۱۶

۷۔ ماہنامہ 'آزاد'۔ مالک و ایڈیٹر لبشن سہائے آزاد دہلوی۔ لاہور صـ۵۲

۸۔ ماہنامہ 'مزدا' (امرتسر)

۹۔ ہفتہ وار 'صدائے ہند' لاہور۔

۱۰۔ ماہنامہ گلدستۂ بہار۔ المشتہر منیجر اخبار اپنچ۔ بانکی پور۔

۱۱۔ اخبار اپنچ بانکی پور۔

ابوالکلام آزاد کا لسان الصدق یعنی دارالسلطنت کلکتہ کا ایک ماہوار عام علمی رسالہ نومبر ۱۹۰۲ء[1] سے یہ رسالہ شائع ہو رہا ہے جس میں عام علمی، تاریخی، سائنٹفک مضامین کے علاوہ ذیل کے چار مقصدوں پر مضامین شائع ہوتے ہیں۔ (۱) اصلاح معاشرت (۲) ترقی اردو (۳) تنقید (۴) علمی مذاق کی اشاعت،

---

[1] ۱۹۰۲ء کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے، صحیح تاریخ ۲۰ نومبر ۱۹۰۳ء ہے۔

مخزن، افسانہ، دل چسپ، آبزرور، وکیل، عین الاخبار، پیسہ اخبار، ایڈورڈ گزٹ، ریاض الاخبار وغیرہ ہندستان کے مشہور و معروف رسالوں اور اخباروں نے جن لفظوں میں اس پر ریویو لکھے ہیں، ان سے اس رسالے کی عمدگی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ عام مضامین کے علاوہ دل چسپ معلومات، ایجاد و اختراع جدید تحقیقات کے متعلق بیش بہا نوٹ درج کئے جاتے ہیں۔ ہندستان بھر میں یہی ایک رسالہ ہے جس کے ذریعہ سے آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ ہندستان کے مشہور مصنفین آج کل کن کتابوں کی تصنیف و ترتیب میں مصروف ہیں اور کون کونسی عمدہ کتابیں مختلف پریسوں میں زیر طبع ہیں۔ سالانہ قیمت بھی عام رسالوں کی قیمتوں سے بہت کم رکھی گئی ہے یعنی صرف ۱۲ معہ محصول ڈاک امرا اور روساء سے ۳

ابو الکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی ایڈیٹر لسان الصدق
نمبر ۱۶ تاراچند دت اسٹریٹ۔ کلکتہ"

دکن ریویو کا ایک اور پرچہ (جس میں افسانہ شامل نہیں ہے) بے تاریخ ہے۔ اس میں رود موسیٰ کی طغیانی کے سلسلے میں "سید احمد حسین امجد کی کہانی ایڈیٹر دکن ریویو کی زبانی" شائع ہوئی ہے۔ دوسرے مشمولات میں عبد الحق کا مضمون "ہز میجسٹی شہنشاہ بیگم چین" کی پہلی قسط قابل ذکر ہے۔

۱۹۰۵ء میں قاضی کبیر الدین کا مضمون انڈین نیشنل کانگریس اور مسلمان قابل ذکر ہے۔

صحیح ہیں یہ کچھ عرصے کے لئے بند ہو گیا! کب، یہ میں جاننے سے قاصر ہوں۔ مندرجہ بالا شمارہ اور ستمبر ۱۹۰۴ء کے پرچوں کے بعد مجھے جو پرچے ملے ہیں (رضا لائبریری) ان میں پہلا، دسمبر ۱۹۰۷ء کا ہے اور اس پر سلسلہ جدیدہ کی جلد دوم کا نمبر ۲ درج ہے۔ اس کے ایڈیٹوریل میں سلسلہ جدید کا آغاز نومبر ۱۹۰۶ء سے بتایا گیا ہے۔

اور اس بار یہ صرف دکن ریویو کے نام سے نکلا ہے۔ افسانہ کی علیحدہ سے اشاعت کی بشارت دی گئی ہے جو "مارچ ۱۹۰۸ء سے جاری کرنے کا ارادہ ہے۔ مقام اشاعت انیکشی" جو سمبر ۱۹۰۷ء کے اس پرچے میں "مرثیہ اور مرزا دبیرؔ" کے عنوان سے خیالؔ کا ایک مضمون ہے۔ امیر مینائی مرحوم پر فضل حق آزادؔ کا ایک ماتمیہ ہے۔ اکبرؔ کے اشعار، شبلیؔ کی "تشنا زمین کن ہر متاع کہنہ و نو را" والی غزل اور عبدالحق ہاپوڑ کے مسلسل مضمون "العالم الاسلامی کی چوتھی قسط شائع ہوئی ہے۔

جنوری ۱۹۰۸ء میں اسلام نمبر شائع ہوا اور فروری مارچ مشترک نمبر ہند نمبر کے عنوان سے نکلا۔ ہند و نمبر کے اصل مشمولات سے ہمیں بحث نہیں کہ اب اس کے نام کے سوا کوئی چیز تاریخ میں محفوظ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ البتہ اسی پرچے میں چند ماہناموں پر ریویو بھی نکلے ہیں۔ ان سے تاریخ صحافت کی بعض کڑیاں ملانے میں ضرور مدد مل جائے گی۔

(۱) شمسِ بنگالہ۔ ایڈیٹر بدر الزماں۔ کلکتہ۔ صفحات ۴۰ خورد

(۲) زبانِ دہلی"۔ ایڈیٹر مائل دہلوی۔ کوئی ہندو بزرگ ہیں۔" پہلا نمبر جنوری ۱۹۰۸ء۔ جس میں دو تصویروں میں سے ایک خواجہ حسن نظامی کی ہے۔

(۳) مرقع قادیانی۔ ایڈیٹر ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری۔ ۳۲ صفحے

(۴) الیشیا۔ ایڈیٹر حکیم فیروز الدین امرتسری "اس وقت تک رسالے کے پانچ نمبر نکل چکے ہیں"

(۵) المجدد۔ پہلا نمبر جنوری ۱۹۰۰ء۔ ایڈیٹر تاج الدین احمد مجددی نقشبندی۔ لاہور۔ "ضخامت ۳ جزو"

(۶) آزاد لاہور۔ ایڈیٹر لشن سہائے: "اپنی زندگانی کا پہلا سال ختم کر کے دوسرے سال میں قدم رکھا ہے۔" پولٹیکل پرچہ۔

ایشیا پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک غزل کے سلسلے میں جو بلا حوالہ شائع کی گئی ہے لکھا ہے

اقبالیات : ہمارے دوست پروفیسر محمد اقبال بے چارے کو جنا ایڈیٹر صاحب نے زبردستی ایم۔ اے نمبر کا قلمی معاون بنالیا کیونکہ ان کی جس غز مثال پر تو ے طوف جام کرتے ہیں — یہی نماز ادا صبح و شام کرتے ہیں

سے ایم اے نمبر کو زینت دی گئی ہے وہ انھوں نے اکتوبر ۱۹۰۵ء میں لندن جاتے ہوئے جہاز پر سے دکن ریویو کے لئے لکھی تھی اور اسی مہینے کے دکن ریویو میں چھپ چکی تھی۔ غالباً ایڈیٹر صاحب کو منظور نہ تھا کہ وہ اس کا اعتراف کریں۔ ان کی تمنا تھی کہ ان کے ناظرین یہ سمجھیں کہ یہ غزل پروفیسر محمد اقبال نے خاص ایشیا کے ایم اے نمبر کے لئے لکھ کر ابھی ابھی بھیجی ہے، ورنہ وہ اس کو غزل سے خارج نہ کر دیتے۔

ہرے رہو وطن مازنی کے میدانو — جہاز پر سے تمہیں ہم سلام کرتے ہیں

شیخ محمد اقبال صاحب نے اس شعر پر یہ نوٹ بھی دیا تھا " وطن مازنی یعنی اٹلی جس کا ساحل اس وقت مصنف کے سامنے تھا جب یہ شعر لکھا گیا۔"

اس کے بعد مجھے سلسلہ جدید، جلد دوم کا نمبر ۱۱، ستمبر ۱۹۰۸ء ملا جس میں دوسری مشمولات کے علاوہ عبدالحق کے " العالم الاسلامی" کی ساتویں قسط، اور عبدالحق کا ایک مضمون ٹرکی کا انقلاب، "فلسفی اور ڈارون" کے ادارتی عنوان کے ساتھ ایڈیٹر کے نام اکبر الہ آبادی کا ایک خط قابلِ ذکر ہیں —

اکبر کا خط یہ ہے:

مکتوب اکبر الہ آبادی

" مکرمی۔ ابھی ایک صاحب نے نہایت ذوق شوق سے مولوی فلسفی کا عذر منظوم مجھ کو سنایا۔

آپ نے میرے چند اشعار پر جو ریمارک کئے ہیں،

'خدا جزائے خیر دے۔

مسودات میں چار مصرعے نظر آئے۔ نظر کیا آئے' یاد آئے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ مولوی شبلی نعمانی صاحب نے ارتقا کے مسئلہ پر قلم اٹھایا تھا اس کے متعلق یہ مصرعے ہیں:

پوچھا شبلی سے ایک دن میں نے
آپ کے ارتقا نے کی کیوں تاخت
ہنس کے بولے کہ اس زمانے میں
باہمیں بوزنہ ببابد ساخت

اگر مولوی صاحب کو عذر نہ ہو تو یہ مصرعے حاضر ہیں۔
واللہ آپ ہی لوگوں کے اصرار سے کبھی ادھر توجہ کرتا ہوں۔
میرا ہرگز ارادہ نہ تھا کہ کلیات طبع ہو' لیکن عشرت حسین نے نہ مانا۔
سوسائٹی کی حالت اور بے علمی کی فراوانی دیکھ کر مایوسی ہوتی جاتی ہے۔ ہم اوروں کو کیا درست کریں گے بس اب دعائیں خود باطنی لذت کم ہوتی جاتی ہے۔

سید اکبر حسین - الہ آباد - ۱۰ اگست ۱۹۰۸ء

یکم دسمبر ۱۹۶۰ء کے جاری زبان میں' میں نے مندرجہ بالا تحریر چھپوائی تھی۔ یکم فروری ۶۲ء کے شمارہ میں جناب نصیرالدین ہاشمی مرحوم نے دکن ریویو کے بارے میں مندرجہ ذیل مضمون لکھا جسے تتمہ کے طور پر درج کرتا ہوں:-

' رسالہ دکن ریویو' جو حیدرآباد سے مولوی ظفر علی خاں صاحب مرحوم شائع کرتے تھے' اب اس کے پرچے کسی کتب خانہ میں مکمل نہیں ہیں' خیال تھا کہ نواب سالار

جنگ کے کتب خانہ میں اس کے مکمل نسخے ہوں گے مگر یہاں صرف تین نسخے ہیں ان کی صراحت بیان کی جاتی ہے۔

(۱) رسالہ نمبر (۹) جلد دوم ماہ ستمبر ۱۹۲۳ء

ٹائٹل پیج پر چار مینار کا نقشہ ہے اور اس کے اوپر "بہ سرپرستی مہاراجہ یمین یمین السلطنت کے، سی، آئی، ای دام اقبالہ وزیر اعظم دولت آصفیہ درج ہے"۔ چار مینار کے نیچے جلی حروف میں "افسانہ" اس کے نیچے یہ عبارت ہے۔

"اعلیٰ درجہ کے انگریزی ناولوں کے تراجم کا ماہوار رسالہ" پھر اس کے نیچے جلی حروف میں "دکن ریویو" درج ہے۔ پھر اس کے نیچے ظفر علی خاں بی۔اے سید محفوظ علی بی اے۔ ایڈیٹر لکھا گیا ہے۔

اس پرچہ کے مضامین حسب ذیل ہیں۔

(۱) میں نے اسلام کیوں قبول کیا۔ ڈاکٹر محمد عزیز الدین دانشی کانت ڈاکٹر آف فلاسفی جرمن یونیورسٹی

(۲) نظم ظفر علی خاں

(۳) ریویو الندوہ پروفیسر نقاد

(۴) فسانہ لندن جلد دوم ظفر علی خاں

ڈاکٹر عزیز الدین کا مضمون دراصل ان کے انگریزی یا جرمنی مضمون کا ترجمہ ہے ظفر علی خاں کی نظم بارہ اشعار کی ہے جو حسب ذیل عنوان کے تحت درج ہوئی ہے:

"بتاریخ ۲ ستمبر ۱۹۰۴ء امراء عمائد حیدرآباد کا ایک جلسہ حضرت سید شاہ عبدالرحیم صاحب فیض القادری کے مکان پر اس غرض سے منعقد ہوا کہ اشاعت اسلام کے لئے آپس کے چندہ سے ایک فنڈ قائم کیا جائے یہ نظم اس موقعہ پر پڑھی گئی:

شاہ عبدالرحیم صاحب ایک مشہور صوفی بزرگ اور سر افسر الملک کے سمدھی ہوتے تھے کیونکہ شاہ صاحب کے فرزند سید شاہ عبدالحی صاحب نے افسر الملک کی دختر سے بیاہ کیا تھا۔ نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جمع ہوئے ہیں بہم قوم کے سردار آج — دیکھنے آتے ہیں لوگ رونق گلزار آج
محفل اعیان قوم کہیئے اسے ، بلکہ — آئے زمیں پر اتر ثابت و سیار آج
بلکہ ہے پھیلی ہوئی روشنی اسلام کی — انجم شمس و قمر ہو گئے بے کار آج
خود غرضی چھوڑ کر بنتے ہیں ہم بے غرض — سہل ہمارے لئے ہوتا ہے دشوار آج
راہ خداوندی میں کرتے ہیں جیبوں کو وقف — بنتے ہیں جو جان نثار دیکھیں یہ ایثار آج

رسالہ اندرونہ کا ریویو مکالمہ کی صورت میں مزاحیہ انداز میں لکھا گیا ہے۔ آخری صفحہ پر خیابان فارسی اور سیر ظلمات کا اشتہار ہے۔

(۲) دوسرا پرچہ دکن ریویو سلسلہ جدید کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس پرچہ پر نمبر (۱) جلد اول ماہ نومبر سنہ ۱۹۰۶ء درج ہے۔ اس پرچہ کے مضامین حسب ذیل ہیں۔

(۱) عرض مدعا	ایڈیٹر
(۲) سلطان صلاح الدین ـلہ	مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے۔ جج ہائی کورٹ۔
(۳) دنیا کا خاتمہ	ایڈیٹر
(۴) اساس الاخلاق ـلہ	مرزا سلطان احمد خاں صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر
(۵) پردہ کا جنازہ	نقاش
(۶) غزل	شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی لکھنوی۔
(۷) ماہ گزشتہ	ایڈیٹر

(۸) مرقع مشاہیر بدرالدین طیب جی   ترجمہ از مضمون انگریزی شمس عباس طیب جی۔

"عرض مدعا" میں یہ بتایا گیا ہے کہ دکن ریویو کچھ عرصہ کی غیر حاضری کے بعد ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ رسالہ کے ملتوی ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ایڈیٹر طول وطویل علالت میں مبتلا ہوگئے تھے۔

سلطان صلاح الدین بڑے معرکہ کا مضمون ہے، صرف آٹھ صفحے اس میں شامل ہیں۔ نہیں معلوم مضمون مکمل ہوا یا نہیں۔

"دنیا کا خاتمہ" طویل مضمون ہے اور مزاحیہ رنگ میں لکھا گیا ہے نہیں معلوم ظفر علی خاں کا لکھا ہوا ہے یا محفوظ علی صاحب کا۔

"پردہ کا جنازہ" بھی غالباً ظفر علی خاں کا مضمون ہے۔ اس میں حیدرآباد کے سنہ ۱۹۳۵ء میں ہونے والے واقعات اور مناظر بتائے گئے ہیں۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں تو نہیں البتہ اب سنہ ۱۹۶۰ء اس مضمون کی بہت ساری باتیں ثابت ہورہی ہیں۔ یعنی ظفر علی خاں کے سنہ ۱۹۰۶ء کے خواب کی تعبیر سنہ ۱۹۳۵ء میں تو نہیں بلکہ سنہ ۱۹۶۰ء میں صادق ہوئی ہے۔ اس مضمون سے جہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کی آزادی کا جو قیاس کیا گیا تھا اور جن نتائج کا پیش قیاس کیا گیا تھا وہ تو صحیح ہوگئے۔ مگر سنہ ۱۹۰۶ء میں یہ خیال اور شان و گمان بھی نہیں ہوا تھا کہ انگریز ہندستان سے چلے جائیں گے اور ہندستان جمہوری ملک بن جائے گا۔ کانگرس برسر اقتدار آجائے گی اور سلطنت آصفیہ کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اور آصف جاہ بے ملک بے حکومت کے ایک شہری بن جائیں گے۔

مولانا شبلی کی فارسی غزل شائع ہوئی ہے اس کا مطلع اور مقطع درج کیئے جاتے ہیں:

چند بے ہودہ پہ بند غم دنیا باشم   فرصتم باد کہ با بادہ و مینا باشم

دامن عیش زدستم ترودتا شبلی
دامن مَی از کف ندھم تا باشم

"ماہ گزشتہ" کے عنوان میں گذرے ہوئے مہینے کے مشہور واقعات پہ تبصرہ کیا گیا ہے۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء مسلمانوں کے ایک وفد کے وائسرائے سے ملنے کا تذکرہ ہے، جسے مسلم لیگ کی تشکیل کا پہلا قدم تصور کرنا چاہیئے۔ اس مبحث پہ زیادہ خیال آرائی کی گئی ہے۔ کانگرس والوں کے خیالات کی تشریح ہوئی ہے

دوسرا واقعہ شاہ ایران کے پارلیمنٹ قائم کرنے پہ اظہار مسرت کیا گیا اور خوشی کا اعتراف ہے۔

تیسرا واقعہ ملا عبدالقیوم مرحوم کے انتقال کی خبر ہے۔ اس کے متعلق حسب ذیل صراحت ہے۔

"اگرچہ ہم کو ان کے پولیٹیکل عقائد سے اختلاف تھا (کیونکہ ملا صاحب کانگریسی شخص اور اسی کا پرچار کرتے رہے) مگر ملا صاحب کے قومی کام ناقابل فراموش ہیں"۔

اس کے بعد مرقع مشاہیر میں بدرالدین طیب جی کے حالات درج ہیں۔ دراصل یہ انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے۔ انگریزی مضمون شمس طیب جی کا ہے۔ پرچہ کے آغاز میں بدرالدین طیب جی کا فوٹو بھی شامل ہے۔

(۳) دکن ریویو کا تیسرا پرچہ مارچ و اپریل ۱۹۰۸ء کا ہے۔ جس کو سلسلہ جدید جلد سوم لکھا گیا ہے۔ اس پرچے کے مضامین حسب ذیل ہیں۔

(۱) ایڈیٹوریل   ایڈیٹر

(۲) نذرِ ارادت ؟

(۳) فنونِ لطیفہ ؎ معشوق حسین خاں

(۴) قصیدہ مرزا محمد ہادی عزیزؔ

(۵) نامہ روح منظور حسن

(۶) مخمس قطب الدین محمود

(۷) شیعہ سید علی حید رطبا طبائی

(۸) غزل ایضاً

(۹) بے کاری کے چند گھنٹے مولوی جواد علی خاں عالی

اس رسالے میں حسب ذیل کتابوں کے ریویو کے لئے وصول ہونے کی رسید دی گئی ہے۔

(۱) درین ملک کی تلاش (۲) منازل السائرہ (۳) دل سوز (۴) ایک اندھی لڑکی کی سرگذشت (۵) اخلاق اور روحانی حقیقی امتحان کی تیاری (۶) تحفہ بے نظیر المعروف لب لباب پر اعظم ایشیا (۷) فتاوی محمدی معہ شرح دیوبند (۸) الصالحات یعنی نیک بی بیاں (۹) آفتاب رسالت۔

افسوس ہے کہ کتب خانۂ سالار جنگ کے ذخیرہ میں صرف یہی تین پرچے دکن ریویو کے دستیاب ہوئے ہیں۔ حالانکہ رسالوں کا کافی ذخیرہ ہے۔

جناب محمد بشیر الحق دسنوی مرحوم نے ۲۲ راپریل میں ۶۲ء کے اشارہ میں ہاشمی مرحوم کی تحریر کو دیکھ کر لکھا۔

"یکم فروری سلاء کے ہماری زبان میں جناب نصیر الدین ہاشمی حیدرآبادی نے دکن ریویو کے تین نمبروں کے متعلق جو مضمون سپرد قلم فرمایا تھا اس مضمون کو

پڑھ کر ہیں نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا کہ اس رسالے کی جلدیں پٹنہ کے ایک کتبخانہ میں محفوظ ہیں۔ اور میں ان محفوظ جلدوں کے بارے میں تحقیق کر کے بعد میں لکھوں گا۔

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور کے الاصلاح لائبریری دستہ سکیشن میں رسالہ ہذا کی پانچ جلدیں محفوظ پائی جاتی ہیں۔ جن کے مضامین کی فہرست مضمون کے آخر میں آئے گی۔

ان جلدوں کے بغور مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دکن ریویو کی اشاعت (جنوری ۱۹۰۴ء) سے قبل مولانا ظفر علی خاں صاحب، حیدر آباد سے یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد بالقابہ کی سرپرستی میں جولائی ۱۹۰۲ء سے افسانہ کے نام سے ایک رسالہ نکالتے تھے جس میں موصوف مسٹریز آف لندن کا ترجمہ بنام فسانہ لندن شائع کرتے تھے۔ اس فسانہ کی پہلی جلد ۱۹۰۳ء کے آخر میں شائع ہوگئی تھی۔

جنوری ۱۹۰۴ء سے صاحب موصوف نے دکن ریویو نکالنا شروع کیا۔ اور رسالہ افسانہ کو دکن ریویو کے ساتھ ضم کر دیا۔ دکن ریویو کے پرچے مطبع اختر دکن حیدر آباد میں چھپتے تھے۔ دکن ریویو کی اس جلد کو جو جنوری ۱۹۰۴ء سے دسمبر ۱۹۰۴ء تک نکل کر ختم ہوگئی جلد دوم قرار دیا گیا۔ غالباً رسالہ افسانہ کی رعایت سے ایسا گیا ورنہ حقیقت میں دکن ریویو کی یہ جلد اوّل ہے۔ اس جلد میں حضور نظام میر محبوب علی خاں اور مہاراجہ سرکشن پرشاد۔ نواب ظفر جنگ شمس الملک بہادر نواب شہاب جنگ مختار الدولہ افتخار الملک بہادر۔ نواب صفدر جنگ شعر الدولہ فخر الملک بہادر نواب عماد جنگ بہادر مرحوم۔ کرنل نواب افسر الملک بہادر عمائدین حیدر آباد کے فوٹو دیے ہوئے ہیں۔

اردو اور فارسی غزلوں۔ ایڈیٹر کے نوٹ اور کتابوں پر ریویو کے علاوہ مندرجہ ذیل اہم مضامین اس جلد میں پائے جاتے ہیں:۔

(۱) بو علی سینا نمبر ۱-۲-۳-۴-۵-۶-۷ از ایڈیٹر نمبر ۲ از جناب حافظ حکیم اجمل خاں صاحب دہلی۔
(۲) شہاب ثاقب۔ از سید محفوظ علی صاحب بی، اے۔
(۳) تزک جہانگیری اور جہانگیر۔ از نمبر ۱، تا ۳۔ مولانا شبلی نعمانی۔
(۴) تقلید کا اثر اقوام کے نشو و نما پر۔ (۱-۲) از سید محفوظ علی صاحب بی اے۔
(۵) فلسفۂ عشق ۱، ۲، از ایڈیٹر۔
(۶) صنعت و حرفت کی تعلیم کی ضرورت۔ از مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے
(۷) پروانہ و شمع (نظم) از نادر علی خاں صاحب نادر کاکوردی۔
(۸) احیائے علوم عربیہ اور ایک ریڈیکل۔ شبلی نعمانی۔
(۹) نسبتی قانون۔ از مرزا سلطان احمد صاحب۔
(۱۰) اصلاح تمدن۔ از نواب ذوالقدر جنگ بہادر۔
(۱۱) جزیرہ بینکاتی۔ از محمد معشوق حسین خاں۔
(۱۲) ابر و باراں۔ از مولوی عزیز مرزا صاحب بی اے۔
(۱۳) مبادی علوم۔ از مرزا سلطان احمد صاحب۔
(۱۴) زبان (۱) از مرزا سلطان احمد صاحب۔
(۱۵) افریقہ کا مسافر۔ از سید محفوظ علی صاحب۔

دکن ریویو کی تیسری جلد جو حقیقت میں اس کی دوسری جلد ہے جنوری سے دسمبر ۱۹۰۵ء تک نکلی۔ اس جلد میں تصویریں نہیں ہیں مضامین کی فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) مسئلہ کون رص ۳ لغایت ۲۹۔ از مولوی کرامت حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔
(۲) وغیرہ۔ از مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے۔

(۳) سائنس کا ایک نیا کرشمہ از ایڈیٹر۔

(۴) ابن رشد۔ ۱۔۲۔۳۔۴۔۵، از سید محمد اشرف حیدرآبادی۔

(۵) چاند کا منظر۔ از سید راحت حسین صاحب بی، اے۔

(۶) جرمن فاضل بوئر کے مقدمہ تاریخ فلسفۂ اسلامیہ کے ایک حصہ کا ترجمہ نمبر ۱۔ ۲۔ از ایڈیٹر۔

(۷) الندوہ اور تحقیق علم۔ ۱۔ ۲۔ ۳، از محمد مظہر حسن خاں۔

(۸) زبان ۲ ۳ ۴ از مرزا سلطان احمد۔

(۹) نئی اور پرانی دنیا کے اصول سیاست (ماخوذ از جرمن) از مولوی محمد اختر صاحب۔

(۱۰) مصنوعات دکن۔ از حافظ سید ابراہیم حیدرآبادی۔

(۱۱) انڈین نیشنل کانگرس اور مسلمانان ہند۔ از قاضی کبیرالدین صاحب۔

(۱۲) شرر اور سرشار۔ از شیخ تصدق حسین لکھنوی۔

(۱۳) فلسفہ لباس۔ از مرزا سلطان احمد صاحب۔

تیسری جلد کی تکمیل کے بعد ایڈیٹر مولوی ظفر علی خاں صاحب کی طبیعت بری طرح ناساز ہوگئی۔ اور ان کی شدید علالت کے باعث اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء تک دکن ریویو بند رہا۔ اور نومبر سنہ ۱۹۰۶ء میں دکن ریویو سلسلہ جدید جلد ۱ شمارہ ۱۔ ٹائمز آف انڈیا بلڈنگ بمبئی سے نکلنا شروع ہوا۔ دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء کا رسالہ (جلد ۱ نمبر ۲) بھی بمبئی ہی سے شائع ہوا۔ جنوری فروری سنہ ۱۹۰۷ء کے پرچے (۳-۴) بمبئی میں تیار رکھے تھے۔ مگر ایڈیٹر ظفر علی خاں صاحب کے دفعتہً حیدرآباد چلے آنے کی وجہ سے ان کی اشاعت معرض التوا میں آ گئی اور یہ دونوں مشترکہ نمبر ناظرین کی خدمت میں حیدرآباد سے بھیجے گئے۔

پھر مارچ ۱۹۰۶ء سے سلسلہ جدید کے پرچے حیدرآباد سے نکلنے لگے۔ مگر وقت کی پابندی ان پرچوں کی اشاعت میں کبھی ملحوظ نہیں رہی۔ اپریل۔ مئی۔ جون۔ جولائی۔ اگست ۱۹۰۶ء (نمبر ۲ لغایت ۱۱) کا مشترکہ نمبر سلک اول کے نام سے نکلا اور ستمبر اکتوبر ۱۹۰۶ء (نمبر ۱۱۔ ۱۲) کا مشترک نمبر جس پر اس سلسلہ جدید جلد اول کا خاتمہ ہوا اسلام نمبر سلک دوم قرار پایا۔ اس جلد میں جسٹس بدرالدین طیب جی۔ سر کریم بھائی ابراہیم امیر حبیب اللہ خاں فرمانروائے افغانستان۔ سلطان ٹرکی۔ شاہ آف پرشیا کے فوٹو شائع ہوئے ہیں۔ رسالہ کی پہلی دو جلدیں کتابی سائز پر نکلی تھیں۔ سلسلہ جدید کی جلدیں رسالہ مخزن لاہور کے سائز پر نکلی ہیں۔

ایڈیٹر کے عرض مدعا۔ ماہ گذشتہ۔ مرقع مشاہیر۔ اردو۔ فارسی غزلیں اور نظمیں۔ کتابوں رسالوں اور اخباروں کے ریویو کے عنوان سے جو مضامین شائع ہوئے ہیں ان کو چھوڑ کر مندرجہ ذیل مضامین قابل لحاظ ہیں جو اس جلد میں نکلے ہیں

(۱) سلطان صلاح الدین (۱) (۲) مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے، جج ہائی کورٹ حیدرآباد۔

(۲) دنیا کا خاتمہ۔ ایڈیٹر

(۳) اساس الاخلاق (۱) (۲) مرزا سلطان احمد صاحب۔

(۴) پیرڈے کا جنازہ ۔ نقاش

(۵) خلفا اور خلافت۔ مولوی محمد مشوق حسین خاں بی۔ اے۔

(۶) شجر الابابیل وطیر الابابیل۔ نقاش۔

(۷) عراق کے کواکب پرست۔ ایڈیٹر۔

(۸) ہربرٹ اسپنسر (۱، ۲) مولوی محمد معشوق حسین خاں بی۔ اے۔

(۹) جزیرہ اسلی حافظ عبدالرحمٰن سیاح امرتسری۔

(۱۰) تولہ بھر ریڈیم - نقاش
(۱۱) اونٹ - ایڈیٹر
(۱۲) محاصرہ پیرس کے ایام کا ایک دلچسپ واقعہ - نقاش۔
(۱۳) العالم الاسلامی (۱) (۲) مولوی عبدالحق صاحب بی، اے
(۱۴) اتحاد بین المسلمین - ایڈیٹر
(۱۵) زبان عرب اور دنیا پر اس کا اثر - مولوی عبدالحلیم شرر
(۱۶) تاریخ اسلام کا ڈرامہ - مولوی محمد معشوق حسین خاں بی - اے
(۱۷) اسلام کا اثر تمدن پر - مرزا سلطان احمد صاحب -
(۱۸) معرفت نفس - مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر
(۱۹) اسلام میں عورتوں کا مرتبہ بمقابلہ اقوام غیر - مولوی محمد اختر صاحب

دکن ریویو سلسلہ جدید کی دوسری جلد نومبر ۱۹۰۵ء سے شروع ہوکر اکتوبر ۱۹۰۶ء میں اختتام کو پہنچی ہے - فروری و مارچ ۱۹۰۶ء کا مشترکہ نمبر ہند نمبر ہے - جس میں ہندوں کی تہذیب، مہابھارت پر ایک سرسری نظر وغیرہ قسم کے مضامین درج کئے گئے ہیں - اس جلد میں نواب محسن الملک مرحوم - سلطان زنجبار، مسٹر گوکھلے - مہاراجہ گیکوار بڑودہ، شکنتلا - نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی - نواب قائد الملک - مولوی مشتاق حسین صاحب - مولوی محمد عزیز مرزا - کامل پاشا وزیر اعظم دولت عثمانیہ اور خدیو مصر کی تصویریں شائع کی گئی ہیں - قابل لحاظ اور اہم مضامین کی فہرست درج ذیل ہے :-

(۱) مرثیہ اور مرزا دبیر مرحوم (۱) (۲) نصیر حسین خاں بہادر خیال -
(۲) العالم الاسلامی (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) - مولوی عبدالحق صاحب بی - اے -
(۳) آزادی اور اسلام - ابوظفر مولوی محمد تسلیم حیدر صاحب نگونی (انڈور)

(۴) ہندوؤں کی تہذیب (۱) (۲×۳)۔ رائے پربھو لعل صاحب ۔
(۵) مہابھارت پر ایک سرسری نظر۔ رائے بیج ناتھ صاحب ۔
(۶) ویدانت۔ مولوی سید عزیز اللہ صاحب ۔
(۷) ہندوؤں کے متعلق مسلمانوں کے معلومات (۱) (۲) مولوی محمد اختر صاحب حیدر آباد دکن ۔
(۸) سرسید احمد خاں کی دینی برکتیں۔ مولوی محمد عبدالحلیم شرر ۔
(۹) حکیم ناصر خسرو علوی البلخی ۔ ایڈیٹر ۔
(۱۰) حالی کی قدیم غزلیں ۔ مولوی رضا علی وحشت صاحب کلکتہ
(۱۱) ہندی قوم اور قومی زبان ۔ مسٹر ڈپٹی لال نگم بی اے ۔ دہلی ۔
صبح عیش ۔ مولوی مرزا سلطان احمد صاحب ۔
(۱۲) فارسی شاعری کا چوتھا دور۔ علامہ شبلی نعمانی لکھنؤ ۔
(۱۳) غازی ۔ مولوی غلام سرور خاں بی اے ۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں ۔
(۱۴) نشاۃ ثانیہ ۔ خامہ حقیقت نگار
(۱۵) منوچہری ۔ علامہ شبلی نعمانی لکھنوی ۔
(۱۶) سید محمود آزاد مولوی رضا علی صاحب وحشت کلکتہ

دکن ریویو سلسلہ جدید جلد سوم کے اول دو نمبر فائل میں نہیں ہیں تیسرا نمبر جو جنوری ۱۹۰۹ء میں شائع ہوا تھا اور فروری سے مئی ۱۹۰۹ء (نمبر ۳ لغایت نمبر ۸) تک کے نمبر اس جلد میں ملتے ہیں ۔ اس کے بعد کے پرچے شائع ہوئے یا نہیں ۔ اس جلد کے مطالعہ سے کچھ پتہ نہیں چلتا ہے ۔ اس جلد کے پانچ نمبروں (۳ لغایت ۷) میں عبدالحمید خاں سلطان ٹرکی اور نواب لطف الدین خاں بہادر کی تصویریں نکلی ہیں ۔ عدیم الفرصتی کے باعث مارچ و اپریل ۱۹۰۹ء (نمبر ۵ ۔ ۶) کے مشترکہ پرچے

کی اشاعت کے بعد ظفر علی خاں صاحب نے دکن ریویو ملکیت اور اڈیٹری سید مودود احمد قادری تشنہ بارغ سالک رام حیدرآباد کے نام منتقل کردی جن کی ادارت میں مئی (نمبر) کے بعد کے پرچے فائل میں نہیں ہیں۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ رسالہ دکن ریویو سلسلہ جدید کب تک باقاعدگی سے نکلا اور کب بند ہوگیا۔

دکن ریویو کو منتقل کرتے وقت ظفر علی خاں نے جو چند سطریں لکھی ہیں ان کا اقتباس ناظرین کی آگاہی کے لئے ذیل میں درج ہے۔

ہماری خدمت کی نوعیت بدل گئی ہے جس کی وجہ سے ذمہ داری کا ایک بڑا بوجھ ہمارے سر پر آپڑا ہے ...... ایسی حالت میں جب کہ ہم اس کے لئے نہ اتنا وقت نکال سکتے ہیں جیسا اب تک نکالتے رہے ہیں نہ ایسی محنت کر سکتے ہیں جیسی اب تک کرتے رہے تو ظاہر ہے کہ دکن ریویو وہ وقعت و حیثیت قائم نہ رکھ سکے گا جو اس نے ملک کے کثیر التعداد رسالوں میں حاصل کر لی تھی .... مولوی سید مودود احمد قادری نے دکن ریویو کے چلانے کے لئے کافی سرمایہ کا انتظام کرنے کے علاوہ ایک لائق اسٹاف مددگاروں کا بہم پہنچا لیا ہے ......

اس کے نیجر بدستور مولوی محمد بدیع الزماں خاں صاحب رہیں گے۔

جلد سوم کے اہم مضامین کی فہرست یہ ہے :

(۱) حقیقت شعر — مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی۔

(۲) بادل۔ — مولوی سید کاظم حسین صاحب شیفتہ حیدرآباد دکن۔

(۳) مولانا بحر العلوم اور الندوہ۔ مولوی محمد عبدالجبار مدرس مدرسہ باقیات الصالحات دیلور۔
(۴) فنون لطیفہ (۱)(۲)(۳) مولوی محمد معشوق حسین خاں بی اے۔ الہ آباد
(۵) ہندوؤں کی تہذیب (۴) رائے پربھولال صاحب محکمہ فنانس حیدرآباد دکن
(۶) السفر وسیلۃ الظفر۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار آنجہانی
(۷) غزنی شاعری اور مثنوی۔ مولوی محمد عبدالباسط صاحب مولوی فاضل حیدر آباد دکن
(۸) نامہ روح۔ (۱)۔ مولوی منظور حسن صاحب ہلکر کالج اندور
(۹) غلاۃ شیعہ ″ مولوی سید علی حیدر صاحب
(۱۰) ہولی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر
(۱۱) قرون عالم جناب جے۔ آر۔ رائے صاحب لاہور۔

سلطان اشرف نے یکم اکتوبر کو اس پر مزید اضافہ کیا۔
"فروغ ادب لائبریری رامپور میں دکن ریویو کے سنہ ۶ء سے ۸ء سے ۹ء کے کچھ منتشر رسائل ہیں۔ دسنوی صاحب کے مضمون کے آجانے کے بعد میں نے فروغ ادب لائبریری کے ذخیرے کو دیکھا تو معلوم ہوا لائبریری کے ذخیرے میں تیسری جلد کا پہلا شمارہ یعنی نومبر سنہ ۶ء موجود ہے لیکن دوسرا شمارہ دسمبر سنہ ۶ء نہیں ہے۔ بہرحال اس مسئلے کو کسی حد تک مکمل کرنے کے لئے اس شمارے کا تعارف حاضر کئے دیتا ہوں۔
ابتدا میں سلطان مسقط کی تصویر شامل ہے۔ اس کے بعد ایڈیٹوریل ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ دکن ریویو جنوری ۱۹۰۴ء سے نکلنا شروع ہوا۔

ایڈیٹر کے قلم سے اس بارے میں یہ لائنیں لکھی ہوئی ملتی ہیں ۔

"اس نمبر سے دکن ریویو اپنی نئی زندگی کے تیسرے برس میں قدم رکھتا ہے۔ اور اگر جنوری ۱۹۰۴ء سے حساب لگایا جائے جو سن پیدائش ہے تو اس کی عمر کے چھٹے سال کے آغاز میں صرف ایک مہینہ باقی رہ جاتا ہے"

دیگر مضامین نظم و نثر کی تفصیل اس طرح ہے :-

"شب معراج" مولانا سید علی حیدر طباطبائی - پروفیسر نظام کالج حیدرآباد دکن۔

"کچھ جگ بیتی کچھ آپ بیتی" ہز ایکسیلنسی یمین السلطنتہ مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد بہادر

جذبات آزاد' — مولانا فضل حق صاحب آزاد پٹنہ

تصوف کی تاریخ (۱) — ایڈیٹر

سید محمود آزاد (۲) — مرسلہ سید رضا علی وحشت کلکتہ

غزل — سید رضا علی وحشت کلکتہ

"بیکاری کے چند گھنٹے" مولوی سید جواد علی صاحب منتہی دارالعلوم ندوہ حیدرآباد دکن

تاریخ طغیانی رود موسیٰ ۔ مولانا سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی

شب معراج' مولانا طباطبائی کا قصیدہ ہے جس کے کچھ شعر ذیل میں پیش کرتا ہوں ۔ اس قصیدے سے پہلے ایڈیٹر دکن ریویو نے اردو شاعری کی مختصر تعریف کرتے ہوئے قصیدے کا تعارف بھی کرایا ہے ؎

صد قافلہ مشک ختن صد راحلہ دُرِ عدن — ہے تاجر ملک سخن یا مرکب دریائے چیں

چتون میں ہے افسوں گری رفتار ہے جادو بھری — عفریت اور ایسا پری نکلیں اور ایسا نازنیں

کچھ جھوم کر آتا بھی ہے کچھ چال مستانہ بھی ہے — دریا پہ لہراتا بھی ہے بکھرا کے زلف عنبریں

"کچھ جگ بیتی کچھ آپ بیتی" کے عنوان سے مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد کی ایک

اردو غزل اور ایک فارسی غزل شامل ہے۔ نمونہ غزلیات حاضر ہے ؎

نہ غنچے باغ میں چٹکے نہ چہکی کچھ ہزار اب تک
چمن کا رنگ پھیکا ہے نہیں آئی بہار اب تک
ہزاروں کی تمنائیں تو اے خواجہ ہوئیں پوری
مگر یاں اک دل ناشاد ہے امیدوار اب تک

فارسی غزل کا مطلع ہے ؎

چشم فرش راہ شد در انتظار کیستم
شوق پابوسی ست من امیدوار کیستم
عکس مرآت حقیقت گشت چوں ہر ذرہ ہاں
غرق حیرت گشتہ ام آئینہ دار کیستم

جذبات آزاد۔ فارسی غزل ہے۔ اس غزل کے تعارف میں بھی ایڈیٹر صاحب نے مختصر طور پر تعارف کرایا ہے۔ لکھتے ہیں، ہمارے ناظرین نے غالب کی وہ مرصع غزل دیکھی ہوگی جس کا مطلع ہے ؎

تا ہم ز دل برد کافر ادائے   بالا بلندے، کوتہ قبائے

حضرت آزاد کی اس غزل کو بھی ملاحظہ فرمائیں ؎

دل برد از ما رعنا جوانے   بالا بلندے سرو روانے
رنگیں قبائے قاتل ادائے   آشوب دہرے آرام جانے
یا خوبروئے پاکیزہ خوئے   باریک موئے لاغر میانے
شکر فشانے یا تلخ گوئے   شیریں زبانے فیروا بیانے

تصوف کی تاریخ۔ یہ مضمون پروفیسر رینالڈ نکلسن کا لکھا ہوا ہے اور اس کا اردو ترجمہ ایڈیٹر کے قلم سے نکلا ہے۔ ترجمہ بہت رواں دواں ہے

اگر مصنف کا نام اڑا دیا جائے تو یہ معلوم ہی نہیں ہوسکتا کہ ترجمہ ہے یا طبع زاد ہے
اس کے بعد سید رضا علی وحشت مرحوم کی غزل ہے چند شعر بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں ؎

نہ اٹھا اے خروش سحر کبھی غم نیم شب تو اثر نہ کر
ہے دل اس کا نازک وبے خبر اسے میرے دل کی خبر نہ کر

ہے یہی خلش مری زندگی کہیں مٹ نہ جائے یہ چارہ گر
مری زیست کا جو خیال ہے تو علاج زخم جگر نہ کر

ہے تغافل ایک ادا وہ یہ سکھایا کس نے بھلا تجھے
کہ کسی ستم کش شوق پہ کبھی بھول کر بھی نظر نہ کر

خلش امید بھی ہے ستم کوئی کہہ دے وحشت خستہ سے
کہ یہ شام، شام فراق ہے عبث آرزوئے سحر نہ کر

"سید محمود آزاد (۲) مرسلہ سید رضا علی وحشت کلکتہ ہے"، یہ دوسری قسط ہے اس کی پہلی قسط دکن ریویو کے شمارہ ۱۲ جلد دوم میں شائع ہوئی تھی۔

دوسری قسط کے چند شعر اس وقت حاضر ہیں ؎

کس نے کہا کہ آتے ہیں دشمن کے گھر سے آپ
اپنی نظر ملائیں تو میری نظر سے آپ

کس نے کہا کہ مائل اغیار آپ ہیں!
دشمن کا شکوہ کرتے ہیں کیوں سے آپ

امید قدر کیا ہو خریدار سے بھلا!
شرمندہ ہم ہیں اپنے متاع ہنر سے آپ

آجائیں میکدے میں جو واعظ تو سیر ہو
منبر پہ ہیں دھرے ہوئے کس کر و فر سے آپ

شیوۂ پرسش احباب ستم ہے ہم کو　　کیا کہیں ہائے کس شوخ کا غم ہے ہم کو

" بے کاری کے چند گھنٹے " عنوان سے کچھ زیادہ وضاحت نہیں ہوتی لیکن جب آپ اس مضمون کا مطالعہ کریں تو معلومات کا خزینہ پائیں گے ــــ مقالہ نگار نے ایک جدت یہ بھی کی ہے کہ آخر میں ایک چارٹ بھی شامل کر دیا ہے جس کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ دنیا کے مشہور لوگ ابتداً میں کتنے معمولی تھے لیکن اپنی انتھک کوششوں سے وہ کس قدر بلند مقام کے مالک بن گئے۔ مقالہ نگار نے اپنے مقالے میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ بے کاری کے اوقات میں بھی کام کرتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ کامیابی قریب سے قریب تر ہوجائے۔ مثال میں چند نام اسی مقالے سے پیش کرتا ہوں " گریٹ رشنرڈ " ایک حجام تھا۔ اپنے کام اور گھر کے کام سے فارغ ہونے کے بعد ایجاد و اختراع کی ادھیڑ بن میں لگ جاتا تھا آخر کار نتیجہ یہ نکلا کہ سوت کاتنے کے آلہ کا موجد بنا۔ اسی طرح ایڈورڈس، معمار تھا۔ کرنی بسولی (آلات تعمیر) ہاتھ میں ہوتی اور کتاب جیب میں، ایک منٹ کا موقع بھی ملتا تو مطالعہ کرنے لگتا۔ پیشہ کی مناسبت سے اس کا رجحان ریاضی و ہندسہ کی جانب تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ مشہور مہندس اور ریاضی داں مشہور ہوا۔

اسی طرح دسیوں مثالوں کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ انسان کو اپنے قیمتی وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ کام کرتے رہنا چاہیئے۔

رسالہ کے آخری صفحہ پہ اکبر الہ آبادی مرحوم کی " تاریخ طغیانی رود موسیٰ " شامل ہے۔ ایڈیٹر دکن ریویو نے ابتداء میں بطور تعارف چند لائنیں بھی لکھ دی ہیں۔

بعض تاریخی مادوں کے متعلق بلا شبہ کہا جا سکتا ہے کہ ہاتف غیب نے انہیں

اپنے آسمانی قلم سے صحیفۂ اعجاز پر ازل سے لکھ دیا ہے اور جب ضرورت پڑتی ہے تو سچے شاعر کے دل پر اس کا القا کر دیتا ہے۔ پچھلے نمبر میں مولانا ابو الحکمتہ کی تاریخ حیدرآباد شد غرق آواز آمدہ کا شمارہ اسی قسم کے اعجازی مادوں میں ہے۔ پرچہ شائع ہوا ہی تھا کہ ہمارے مخدوم محترم مولانا سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی کا گرامی نامہ اسی مادہ کو خلعت توارد پہناتا ہوا وصول ہوا جو درج ذیل ہے۔

مکرمی

یہ عجیب بات ہے کہ دکن کے غرق ہونے کا واقعہ خود اپنی تاریخ ہے یعنی
حیدرآباد دکن غرق شد میں ۱۹۰۸ء بلا تعمیہ و تخرجہ ہوتے ہیں تاریخ کے لئے
دوستوں میں سے اکثر نے کہا میں نے یوں موزوں کر دیا ہے

دوستوں میں سے جو تاریخ کو اکثر نے کہا   حیدرآباد دکن غرق شدہ اکبر نے کہا

سرکار والا سے جو توجہ مصیبت زدگوں کی امداد پر ہو رہی ہے وہ دلوں میں دعائیں پیدا کر رہی ہے۔

سید اکبر حسین

دکن ریویو کے سلسلہ کو مکمل کرنے کے لئے اب صرف ایک درمیانی شمارہ یعنی دسمبر ۱۹۰۸ء باقی رہ جاتا ہے۔ اب تک کی تحقیق سے وہ شمارہ نہ تو سالار جنگ میوزیم میں نکلا ہے اور نہ خدابخش لائبریری پٹنہ میں مل سکا ہے، فروغ ادب لائبریری رامپور میں نومبر ۱۹۰۸ء کا شمارہ تھا اس کا مختصر تعارف آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ دوسرے شمارے کے مندرجات کے بارے میں وثوق سے تو کوئی بات نہیں کہی جا سکتی تاہم "بیکاری کے چند گھنٹے" نومبر ۱۹۰۸ء کے شمارے میں مکمل نہیں ہے اس لئے اس کی دوسری قسط لازمی دسمبر ۱۹۰۸ء کے شمارے میں شامل ہوئی ہوگی۔

تعلیم و تربیت

دسمبر ۱۹۲۶ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس دہلی میں جو ریزولیوشن پاس ہوا، اس کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ "ایک سہ ماہی رسالہ تعلیمی جاری کیا جائے جس میں تعلیمی مسائل کے متعلق نظری اور عملی نقطۂ نظر سے مضامین لکھے جائیں جن تعلیمی مسائل میں اختلاف رائے ہے ان کے متعلق تبادلۂ خیال کیا جائے اور اس ملک میں یا دوسرے ممالک میں جو تعلیمی تجربات کئے جا رہے ہیں، ان کی اشاعت ہو تاکہ اساتذہ ایک دوسرے کے تجربات سے مستفید ہو سکیں" (شذرات)

اکتوبر ۱۹۲۷ء میں اس رسالے کو جاری کرنے کا خیال تھا لیکن جنوری سے پہلے نہ نکل سکا۔ نام پر اعتراض ہوا کہ تعلیم نام سے لاہور سے ایک تعلیمی پرچہ نکل رہا تھا، سو نام "تعلیم و تربیت" طے پایا، اور کمیٹی ماہرین تعلیم آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ کا سہ ماہی رسالہ ڈاکٹر سید ظفر الحسن، ڈاکٹر سید عابد حسین اور خواجہ غلام السیدین کی ادارت میں، ۵۲ صفحات پر مشتمل محمد مقتدیٰ خاں شروانی کے اہتمام سے مسلم یونیورسٹی پریس میں چھپ کر جنوری ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا۔

رسالہ کے مشمولات، مضامین شامل نئے تعلیمی تجربات اقتباسات

بزم معلمین" اور شذرات کے مستقل عنوانات کے تحت منقسم ہوئے تھے۔ اور ہر مضمون بلند ترین معیار کا حامل ہوتا تھا۔ صرف چار نمبر نکلے اور چاروں ایسے نکلے کہ میرا جی نہیں چاہتا کہ اس میں کا کوئی مضمون بھی گم نامی کی موت مر جائے۔ اس لئے آپ بھی ان سے روشناس ہو لیجیے۔

جلد ۱ شمارہ ۱ جنوری ۱۹۲۸ء۔ مطابق رجب ۱۳۴۶ھ

تعلیم، ماضی اور حال :	عبداللہ یوسف علی
فلسفہ اور تعلیم :	ڈاکٹر سید ظفر الحسن
نفسیات شباب کا ایک باب :	اشپر انگر، مترجمہ سید عابد حسین
جرمانیہ میں صنعتی تعلیم :	سید محمد عمر
جامعات اسکاٹستان :	جے جی فائف، مترجمہ: ناظم حیدرآبادی
تعلیم اور ہندو مسلم اتحاد :	سید محمد یوسف
ایک "مدرسہ جدیدہ" بلجیم میں :	فاریادی واسکونسلو، مترجمہ، خواجہ غلام السیدین۔
ایک معلم کے تجربات	سید حامد علی
حکومت خود اختیاری کے تجربات حالی مسلم ہائی اسکول	سید اشفاق حسین

اقتباسات ——— بزم معلمین ——— شذرات

جلد ۱ شمارہ ۲

مشرق و مغرب کے اہم تعلیمی مسائل : عبداللہ یوسف علی

اس مضمون کے بارے میں مدیر نے حسب ذیل نوٹ لکھا ہے :

"ہمارے محترم دوست عبداللہ یوسف علی نے
"انڈیا اینڈ یورپ" کے نام سے حال ہی میں ایک کتاب تصنیف
فرمائی ہے مضمون ذیل اسی کتاب کے ایک نہایت پُر مغز
باب کا ترجمہ ہے۔ ہم ان کے ممنون ہیں کہ انھوں نے ہم کو
اس کی اشاعت کی اجازت دی۔"
تعلیم نسواں، ایک سفر اطی مکالمہ: سید عابد حسین (پروفیسر
فلسفہ و تعلیمات جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی)
اس مضمون کا آخری پیراگراف ملاحظہ ہو!
" نصاب تعلیم بھی ابتدائی مدرسہ میں الگ ہونے کی ضرورت
نہیں بلکہ آٹھ نو برس کی عمر تک لڑکوں اور لڑکیوں کو ساتھ ساتھ اور ایک
ہی نصاب کے ماتحت تعلیم دینا چاہیئے، کیونکہ اس وقت فطرت ذہنی پہلو
سے ان کے اختلاف جنس کو نمایاں نہیں کرتی۔ پھر آخر دنیا میں عورتوں کو
مردوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہے اور ان کے خیالات اور سیرت میں
کسی حد تک یک رنگی کی ضرورت ہے کوئی زمانہ تو ایسا ہونا چاہیئے کہ
جب ان کی تعلیم و تربیت یک جا اور یکساں ہو اور ظاہر ہے کہ اس کیلئے
سب سے موزوں بچپن کا زمانہ ہے، اس کے بعد ثانوی اور اعلیٰ تعلیم
میں البتہ لڑکیوں کے مدارس الگ اور ان کی تعلیم جداگانہ اصول کے
مطابق ہونا چاہیئے۔ درس کا طریقہ یہاں بھی یکساں رہے گا۔ البتہ
نصاب تعلیم میں اسی حد تک فرق ہوگا کہ عورتوں کی تعلیم میں منطق
فلسفہ، ریاضی وغیرہ مجرد علوم کو بہت کم جگہ ملے گی اور دوسرے علوم
میں بھی انتخاب سے کام لیا جائے گا۔ یہاں عورتوں کا نصاب اس

عنوان سے بنایا جائے کہ امومت اور زوجیت کے لیے عورتوں کو جو معلومات اور ذہنی تربیت درکار ہے، وہ حاصل ہو سکے، مگر حتی الامکان اس تنگ نظری سے بچنا چاہیے کہ زنانہ اور مردانہ ادب میں کوئی گہرا فرق کیا جائے۔ ادب کا موضوع زندگی ہے اور زندگی کوئی ریل گاڑی نہیں جس میں زنانہ اور مردانہ ڈبے الگ الگ ہوں، بلکہ ایک دریا ہے جس میں ہر موج ایک دوسرے سے اس طرح ملی جلی ہوتی ہے کہ الگ نہیں کی جا سکتی اور اس کے مشاہدے کے لئے ہمیں پوری سطح پر ایک ساتھ نظر ڈالنا ضروری ہے۔"

تعلیم اور اصلاح معاشرت: خواجہ غلام السیدین (پرنسپل مسلم یونی ورسٹی، ٹریننگ کالج، علی گڑھ)

تحلیل نفسی: جی کوسٹر / مترجمہ غلام محی الدین

ہندستانی تاریخ کی تعلیم: محمد مجیب (پروفیسر تاریخ و سیاسیات جامعہ)

ایک استاد کی تصویر: ماخوذ از "بچپن کے مسائل" مصنفہ، انجیلو مطری

طالب علم اور شہریت: ندیم الحسن رضوی متعلم ٹریننگ کالج علی گڑھ۔

مدرسہ جدیدہ بلجیم میں" ۱۳؎ خواجہ غلام السیدین

تعلیم و ظرافت: "ع" (ڈاکٹر سید عابد حسین؟)

اقتباسات: جلسہ تقسیم اسناد، کلکتہ یونی ورسٹی خطبہ صدارت جادو ناتھ سرکار۔ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس، خطبہ صدارت شیخ سر عبدالقادر، جلسہ تقسیم اسناد میسور یونی ورسٹی خطبہ صدارت

سرجے سی، بوس

شذرات: ایجوکیشنل کانفرنس پر تنقید، مسلم یونیورسٹی کی تحقیقاتی رپورٹ پر تبصرہ، اس کی آخری سطریں ملاحظہ ہوں:

"اسی لئے ہم دوبارہ حکام یونیورسٹی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ جرأت اور استقلال کے ساتھ اپنے قدموں پہ کھڑے ہوں، صداقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور ہر کام میں تعلیم اور قوم کے فائدے کو اپنا رہبر بنائیں، جو جماعتیں کسی بیرونی سہارے پر زندگی بسر کرتی ہیں وہ کبھی کوئی بڑا کام انجام نہیں دے سکتیں۔"

جلد: ۱ شمارہ ۳

مذہبی تعلیم کے طریقے: سیدہ ذکیہ عبدالحمید سلیمان (از قاہرہ)
مترجمہ: سید عابد احمد علی

معلم کی وضع نفسی: جارج کیرشن اشٹائنر (میونک)
مترجمہ: سید عابد حسین

۱۸۵۷ء سے مسلمانوں کی تعلیمی جدوجہد اور اس کے نتائج: محمد خلیل الرحمن

پنجاب میں تعلیم اردو اور مسئلہ تعلیم بالغان: شیخ غلام محی الدین

اخلاقی تعلیم: سید بشیر احمد ہاشمی

ہندستان کے دیہات میں تعلیم: عبدالحق صدیقی

بچے جھوٹ کیوں بولتے ہیں: سید عابد حسین

مدرسہ جدید بلجیم میں ۔ ۳: خواجہ غلام السیدین
خاموش مطالعہ اور اس کی ماہیت: امیر علی خاں
بزم معلمین ۔ طوطوں کی تعلیم: خواجہ غلام السیدین
اقتباسات: آکسفورڈ کے طلبا کی سیاست ۔ کیمبرج کے طلبا کی سیاست۔
شذرات:۔ ڈاکٹر ضیاء الدین کا استعفا (۲) سائمن کمیشن کی تعلیمی کمیٹی (۳) امریکی، انگریزی اور ہندستانی تعلیمی نظریات اس شذرہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

" امریکہ تعلیم کے متعلق اصلاحی تحقیقات میں دنیا کی راہبری کر رہا ہے۔ یورپ تعلیمی تجربات میں پیش پیش ہے لیکن تعلیم کے گہرے اور حقیقی انسانی مسائل پر ہندستان اس طرح روشنی ڈال سکتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت ملے۔ اس کی قدیم اور مختلف اثرات سے مرکب تہذیب، فلسفۂ زندگی کے قیمتی حقائق سے مالا مال ہے جس میں مختلف نسلوں اور مذاہب اور اقوام کا نقطۂ نظر ایک حد تک ہم آہنگ ہو گیا ہے۔ اس لئے ہمیں خاص طور پر تعلیم کے اس پہلو پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔"

جلد ۱ شمارہ ۴۔
مدرسوں کی تعلیم: " از روحِ معلم " مصنفہ جارج کیرشن اشٹائنر۔
مترجمہ سید عابد حسین
ایک انقلاب آفریں معلم: خواجہ غلام السیدین (ایف۔ ڈبلو سینڈرسن ہیڈ)

تعلیم کی ظاہری غرض اور انتہائے مقصد: آنریبل مولوی خواجہ غلام الثقلین
صاحب مرحوم - بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی۔

"یہ مضمون والد مرحوم نے اپنے انتقال سے کچھ عرصہ پیشتر ۱۹۱۴ء میں لکھا تھا۔ اور اس کو اپنے رسالے عصرِ جدید دور ثانی میں شائع کیا تھا۔ اس میں انہوں نے تعلیم کے متعلق جن خیالات کو ظاہر کیا ہے ان کی اہمیت مستقل ہے اس لئے میں اس پُر غور مضمون کو رسالہ تعلیم و تربیت کے پرچوں کے لئے دیتا ہوں۔"
(خواجہ غلام الثقلین)

جامعات آکسفورڈ و کیمبرج: مترجمہ سید عابد حسین۔

"یہ برلن یونیورسٹی کے پروفیسر ولہلم ڈیبلیس کی کتاب "انگلستان" کے ایک باب کا ترجمہ ہے۔ مصنف نے انگلستان کا سفر اسی لئے کیا تھا کہ وہاں کی تہذیب و تمدن اور تعلیم گاہوں کا بنظر غور مطالعہ کرے، یہ کتاب ان کی تحقیقات کا نتیجہ ہے۔ (ایڈیٹر)"

گرو کل کی تعلیم: محمد مجیب (ہردوار کے مدرسے پر)

"تعصب دراصل انسان کے لئے ایک بہت اچھا محرک عمل ہے تعصب نفرت، جانبداری، یہ سب انفرادیت کے لئے بہت ضروری ہیں اگر اپنی حد سے گزرنے نہ پائیں اور مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ ہونے کے بجائے خود مقصد نہ بنا لئے جائیں۔ گرو کل میں یہ سب چیزیں موجود ہیں اور اگر یہ موجود نہ ہوتیں تو گرو کل کی کامیابی کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی تھی۔ انسان اپنی طاقت بڑھانے کی ترکیبیں اسی وقت سوچتا ہے، جب اسے دشمنوں کا خوف ہو یا کسی سے مقابلہ کرنے کا ارادہ ہو۔ گرو کل کے بانیوں نے ایک طرف مسلمانوں اور دوسری جانب

سناتن دھرمی ہندوؤں سے اعلان جنگ کیا ہے، اور انھیں سے لڑنے
کے لئے وہ اپنی فوج تیار کر رہے ہیں جن مسلمانوں میں اسلامی جوش باقی
ہے وہ بجائے ان لوگوں سے نفرت کرنے کے ان سے دوستانہ مقابلہ کریں
گے اور انھیں خوشی ہوگی کہ صدیوں بعد ہندو قوم آخر کار جاگی ہے اور مقابلہ
پر آئی ہے ...... زمانۂ گزشتہ میں مسلمانوں کا عروج اسلام اور اسلامی
اخلاق کی خوبیوں کی وجہ سے ہوا تھا۔ آج میرے خیال میں موجودہ آثار
سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس اخلاقی مقابلے میں گروکل کا فریق کامیاب ہوگا۔
ہماری کسی تعلیم گاہ میں سادگی، مساوات، عقائد کی پختگی اور بلند حوصلہ پیدا
کرنے کی مطلق کوشش نہیں کی جاتی۔ اگرچہ اسلام کی تمام خوبیاں یہی ہیں......"

قومی تعلیم اور جامعہ ملیہ اسلامیہ: ذاکر حسین خاں ایم۔ اے۔
پی۔ ایچ۔ ڈی پرنسپل جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔

—— "تعلیم اس بالارادہ اور بالقصد سعی کا دوسرا نام ہے جو ایک جماعت
اپنے ماضی کو اپنے مستقبل کے امینوں کی طرف منتقل کرنے کے لئے کرتی
ہے، یعنی دراصل قومی زندگی کے تسلسل اور ترقی کو برقرار رکھنے کی
کوشش کو تعلیم کہتے ہیں ۔ ......"

بچوں کا احترام: سید بشیر حسین زیدی۔ بی اے بیرسٹر ایٹ لا۔
ہیڈ ماسٹر مسلم یونیورسٹی اسکول۔

—— "انسان برتر کی تخلیق کے لئے اس سعی پیہم میں
استاد کو یہ یاد رکھنا ضروری اور مفید ہے کہ بچوں کی شخصیت
کا احترام کرنا اس کی کامیابی کی بہترین ضمانت ہے کیونکہ
ان ہی کی فطرت خوابیدہ میں وہ جوہر پنہاں ہیں جن کو بیدار

کرنے اور صحیح تربیت کرنے سے ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں ٹیگور کا یہ قول ہم کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہر طفل نوزائیدہ دنیا میں پیغام لے کر آتا ہے کہ خدا انسان سے مایوس نہیں ہوا۔

برٹرینڈ رسل کا تعلیمی نصب العین، (رسل کے رسالے تعلیم کا خلاصہ ایک صفحے میں) مسلمانوں کا تعلیمی مستقبل : سید تجمل حسین۔

اقتباسات : (۱) سر تیج بہادر سپرو کے الہ آباد یونیورسٹی کانووکیشن ایڈریس سے (۲) پروفیسر رامن کے آندھرا یونیورسٹی کانووکیشن ایڈریس سے (۳) سائنس کالج پٹنہ کی رسم افتتاح کے موقع پر تقاریر اور ایڈریس سے (۴) جرمنی میں ورزشی کھیل۔ (۵) جامعہ ملیہ میں ایک مفید تعلیمی تجربہ (پیام تعلیم سے ماخوذ) (۶) یونیورسٹی کی تعلیم پر ایک اصلاحی نظر : این جی بنرجی صدر مجلس استقبالیہ اساتذہ کانفرنس کلکتہ کے خطبہ کا خلاصہ۔

شذرات : (۱) عرض حال (اپنا رونا کہ خریدار نہیں ملتے (۲) تعلیمی معیار کی پستی (۳) جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی (۴) تعلیم و تربیت کے اگلے نمبروں میں گروکل کی طرح مسلم یونیورسٹی، ہندو یونیورسٹی جامعہ عثمانیہ، شانتی نکیتن، سابرمتی آشرم، ندوہ وغیرہ مخصوص تعلیم گاہوں کے متعلق مضامین شائع ہوں گے۔ آئندہ نمبر میں ایک مضمون عبداللہ یوسف علی کا ہوگا، ایک ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور کا، اپنی تعلیم گاہ پر اور ایک رپورٹ ہارپر کا موگا کے ٹریننگ اسکول کے متعلق۔ اس کے علاوہ جامعہ اظہریہ (ازہر) پر موعودہ مضمون ......"

میرے علم میں خالص تعلیمی انداز کا ایسا معیاری پرچہ اس سے پہلے یا اس کے بعد ہندوستان کی کسی زبان میں آج تک نہیں نکلا، اور اسی لئے اگر اس کے چار پرچے بھی نکل گئے تو بہت نکلے۔

مصنف

مجلس مصنفین علی گڑھ کے سہ ماہی رسالہ "مصنف" کا پہلا پرچہ فروری ۱۹۴۲ء میں نکلا اور آخری پرچہ ستمبر ۱۹۴۸ء میں۔ اس کے مرتب اور ناشر سید الطاف علی بریلوی۔ بی اے۔ (علیگ) تھے۔ پرچہ کی ضخامت بالعموم ۱۲۸ صفحے ہوتی تھی۔ قیمت ایک روپیہ تھی۔ مرتب کی دلچسپی تاریخ میں تھی، یا زیادہ سے زیادہ ادب، نثری ادب، سے کسی قدر لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ اسی کی مناسبت سے "مصنف" میں بیشتر حصہ تاریخی مضامین یا ادبی انتقاد پر مشتمل ہوتا تھا۔ نظم کا حصہ یا افسانوی قسم کی چیزیں تقریباً بالکل نہ تھیں۔

مصنف کے ان ۲۳ نمبروں میں قابل ذکر چیزیں یہ ہیں:-

"سید طفیل احمد صاحب کے مضامین: "مصر قدیم کی پہلی شاہنشاہی" (فروری ۴۳ء) "ایران قدیم میں دنیا کی چوتھی بادشاہی" (مارچ ۴۴ء) فلسطین میں دنیا کی چوتھی بادشاہی (جون ۴۴ء) اور بابل میں دنیا کی دوسری بادشاہی" (اگست ۴۳ء) "تسخیر امراض کی تاریخ اور ان کا تدریجی ارتقا" (جون ۴۵ء) تخلیق کائنات، موجودہ سائنس کی روشنی میں" (مارچ ۴۳ء) اپریل ۴۶ء میں سید الطاف علی بریلوی کا مضمون "مولانا سید طفیل احمد صاحب مرحوم"

انتظام اللہ شہابی کے مضامین :-

علمائے گوپامئو (اگست ۴۷ء) اسیر فرنگ، منیر شکوہ آبادی (جولائی ۴۶ء) "مولانا فضل حق و عبدالحق خیر آبادی" (فروری ۴۲ء) "بزم آخر" (جون ۴۴ء) "دلاور جنگ مولوی سید احمد اللہ شاہ مدراسی" (دسمبر ۴۳ء) "علمائے اکبر آباد اور ان کے علمی کارنامے (شمارہ ۱۳) امام بخش صہبائی شہید دہلوی (اپریل ۴۶ء)

سائنس سے متعلق مضامین :-

"ٹڈی" ڈاکٹر افضال حسین قادری (مارچ ۴۳ء) "نباتاتی تنفس (مارچ ۴۵ء شمارہ ۱۰) ذی حیات اجسام سے غیر مرئی شعاعوں کا خروج" (مارچ ۴۳، شمارہ ۳) از ڈاکٹر رفیق احمد "لاسلکی اور ریڈیو کے اصول اور عمل پر ایک نظر" شاہ عبدالرحمن سیہوانی (جون ۴۳ء)

فلسفیانہ مضامین :-

"جمال معروضی ہے یا موضوعی" ایم-ایم شریف (مارچ ۴۴ء) "علم ہیئت پر ایک فلسفیانہ مضمون" " " (اگست ۴۳ء) مسئلہ علم کے متعلق علماء اسلام کے نظریے :- یعقوب بخش راغب بدایونی (مارچ اور جون ۴۴ء)

تاریخی مضامین :-

الطاف علی بریلوی :- "غلام قادر خاں روہیلہ شہید" (اکتوبر ۴۵ء) - "نواب دوندے خاں" فروری ۴۳ء "روہیلکھنڈ عہد اسلامی میں" (اگست ۴۷ء) بیگم الطاف علی بریلوی، سیدہ انیس فاطمہ :- "جنرل بخت خاں روہیلہ" (جون ۴۵ء) "حضرت محل" (شمارہ ۱۳) "جنرل

محمود خاں" (اکتوبر ۴۶ء جنوری ۴۷ء مشترک نمبر) ابرار حسین فاروقی۔
"بحیرۂ روم میں اسلامی حکومت" (اپریل ۴۶ء) ہم نقیب حکمرانان
اسلام (مارچ ۴۵ء) قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی۔
"تاریخ سلاطین گجرات کے عربی ماخذ" (جون ۴۴ء) محمد امترجمہ
سراج احمد قریشی۔ "راجہ رام موہن رائے اور آخری شاہان مغلیہ" (مارچ
۴۳ء) رئیس الاسلام فاروقی۔ "نواب الدولہ شہید اور دکن"
(جولائی ۴۷ء)
ڈاکٹر عبدالغفور بسمل: "انقلاب ۱۸۵۷ء کا ایک ولولہ انگیز رومان" (اپریل ۴۷ء)
شفیع الدین خاں مراد آبادی۔ "سرگزشت محمد علی خاں عرف نجیب گڑھی"
(مارچ ۴۳ء)
عاقب دہلوی "پانی پت کا خونیں میدان" (دسمبر ۴۷ء اور نومبر ۴۸ء)
ادبی مضامین۔
"سر شاہ سلیمان اور اردو ادب" نظامی بدایونی (دسمبر ۴۳ء)
"ہندوستان میں تصنیفی مشکلات اور ان کا حل" سعید احمد اکبر آبادی (دسمبر ۴۳ء)
"فن افسانہ نگاری پر ایک نظر" سلطان حیدر جوش (دسمبر ۴۳ء)
"خواجہ میر درد" کیفی چریاکوٹی (فروری ۴۴ء) "اکبر اور سر سید" آل احمد
سرور (جون ۴۳ء) "خط اور خطاطی کی مختصر تاریخ" ممتاز حسین جونپوری
(مارچ ۴۴ء) "نواب صدیق حسن خاں" محمد عزیر (جون ۴۴ء)
"مولانا عنایت رسول چریاکوٹی" (محمد عزیر جون ۴۳ء)
"ترقی پسند شاعری" ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (جون ۴۴ء) (مارچ ۴۳ء)
"مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مرحوم" ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی۔

"میر کی شاعری پر ایک عام نظر" میر لطیف حسین ادیب بریلوی (اپریل ۴۶ء)

"ولی گجراتی" قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی (جون ۴۵ء) جولائی ۴۶ء، اکتوبر ۴۶ء، جنوری ۴۷ء) "خان بہادر مولوی بشیر الدین" سعید احمد مارہروی مرحوم (دسمبر ۴۷ء)

"ادبیات فارسی جدید" ڈاکٹر راجہ غلام سرور (شمارہ ۷)

"جدید فارسی شاعری کے رجحانات" ضیا احمد بدایونی (اگست ۴۳ء)

"زبان اور کلچر" ل۔ احمد (اکتوبر ۴۶ء جنوری ۴۷ء مشترک نمبر)

"اردو کی ترقی کے مواقع اور ان کو دور کرنے کا طریقہ" امین عباسی (ستمبر ۴۸ء)

"سید طالب علی دہلوی مرحوم" سید جمیل جالبی (اگست ۴۷ء)

"رشید صاحب پر ایک نوٹ" اظہر رضوی (اپریل ۴۷ء)

"غالب کا نظریۂ اقدار اخلاق" شوکت سبزواری (جون ۴۵ء)

"جامعہ عثمانیہ کی ادبی زندگی" اظہر حسین رضوی (مارچ ۴۴ء)

"کتب خانہ اوچ گیلانی بہاولپور" راجہ غلام سرور (مارچ ۴۵ء)

"دار المصنفین اعظم گڑھ" محمد عزیر (جون ۴۵ء)

"معلومات شاعری" سید مسعود حسن (جولائی ۴۵ء)

"اقبال میری نظر میں" لطیف حسین ادیب (اپریل، دسمبر ۴۷ء) اور دوسرے مضامین۔

"صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ" سید الطاف علی بریلوی (جون ۴۲ء)

"فن موسیقی" امین عباسی (جون ۴۳ء)

"کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے" ضیا احمد بدایونی (فروری ۴۳ء)

"اسلامیان ہند کی تعلیمی ضروریات" ڈاکٹر سید شریف احمد چشتی (اپریل ۴۶ء)
"آسامی مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ" مصنف محب الحق، مترجمہ۔ اختر النساء بیگم (جولائی ۴۶ء)
"قدیم اردو (دکنی) میں سیرۃ النبی کا ذخیرہ" نصیر الدین ہاشمی (جولائی ۴۶ء)
"مصنفین سیتاپور کی تصانیف" سید الیاس حسین (اکتوبر ۴۶ء جنوری ۴۷ء)
"ترکی صحافت جمہوریہ سے پہلے" محمد عزیر (اگست ۴۳ء)
"آگرہ کی شاہی عمارات اور ان کے کتبات"۔ (دسمبر ۴۷ء)
"اردو مخطوطات لٹن لائبریری علی گڑھ" عبدالشاہد خاں شروانی (اپریل ۴۸ء)
معصنف کے ہر نمبر میں کچھ نہ کچھ خطوط بھی ہوتے تھے جن میں مندرجہ ذیل ادیبوں اور عالموں کے خطوط قابلِ ذکر ہیں:
امتیاز علی عرشی (شمارہ ۶) مسعود عالم ندوی، شمس اللہ قادری، مناظر احسن گیلانی، سر سید رضا علی، امین زبیری، سلطان حیدر جوش، حبیب الرحمٰن خاں شروانی، اختر جوناگڑھی (شمارہ ۳ اور شمارہ ۴)
مولانا عبدالماجد دریابادی (شمارہ ۱۱) خواجہ غلام السیدین (جون ۴۲ء) سید محمود (شمارہ ۱۱،۲۰) اور اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کا روہیلوں کے بارے میں منقولی خط (شمارہ ۱۳)
دسمبر ۴۳ء میں عرشی صاحب کی "مکاتیب غالب" پر تبصرہ ہے اس کی آخری لائن دل چسپی سے خالی نہیں۔
"عرشی صاحب سے بصد ادب التماس ہے کہ ان خطوط کو جن سے غالب کی شخصیت اور خودداری کا استخفاف ہوتا ہے آئندہ اشاعت میں نظر انداز فرمادیں تو مناسب ہوگا تبصرہ نگار اظہر رضوی ہیں۔

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی اپنے مضمون "اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مرحوم" میں لکھتے ہیں۔

"آخر لاہور میں دو ڈھائی سال قیام کے بعد وہ واپس نجیب آباد تشریف لے گئے .... وہاں جاکر انھوں نے اپنا مشہور تاریخی رسالہ عبرت جاری کیا .... علامہ اقبال ایسے بزرگ ہر مہینے عبرت کا بے تابی سے انتظار کرتے تھے اور ہر نمبر کو اوّل سے آخر تک مطالعہ فرماتے تھے۔ علامہ اقبال کی خدمت میں چونکہ میں بھی گاہے گاہے حاضر ہوتا تھا اس لیے مجھے معلوم ہے کہ وہ مولانا کے ہر مضمون کی داد ان کو خط لکھ کر دیا کرتے تھے ایک اس قسم کا مختصر سا خط حضرت علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا میرے پاس بھی محفوظ ہے .... اس خط کی عبارت یہاں پڑھ دینا بے محل نہ ہوگا۔ مخدومی۔ اسلام علیکم۔ امسال عارضہ نقرس کی وجہ سے بہت تکلیف رہی۔ اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں — امیر خاں پر آپ نے خوب مضمون لکھا۔ خدائے تعالیٰ اس کے جانشینوں کو بھی ہدایت دے کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے دستکش ہو جائیں۔ صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی خوب مضمون لکھا گیا ہے۔ میں نے ان کی زندگی کے تمام واقعات ایک شعر میں جمع کر دئے ہیں۔

بہر اوکشتِ ملت را چو ابر

ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام محمد اقبال۔ لاہور ۲۲ ستمبر ۱۹۲۲ء

اگست ۴۷ء کے مصنف کا اداریہ ایک سوالیہ نشان تھا، عنوان تھا "چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما"
دسمبر ۴۷ء کے اداریہ کا عنوان ہے "غلط زاد سپاہے" جس میں ایڈیٹر کی سرگزشت اور خوابوں کے ہار جانے کی داستان تھی۔

ستمبر ۴۸ء کے بعد مصنف کبھی نہ نکلا - یہ اس سے براہ راست متعلق نہ ہوتے ہوئے بھی آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی آخری ہچکی تھی - اب کراچی سے العلم نکلتا ہے - جو پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کا پرچہ ہے۔ اور جسے الطاف علی بریلوی ترتیب دیتے ہیں -!!!
ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کانفرنس کی ساری رونق بھی بریلوی کے دم سے تھی۔ شمارہ ۱۳، میں کانفرنس کی روداد دیکھئے اور دم خم کا اندازہ کیجئے۔ مصنف کے پرچوں میں کانفرنس کی مطبوعات، ادارہ علوم اسلامیہ کی اسکیم وغیرہ دیکھئے اور پھر موجودہ بے حسی کو دیکھ کر سید محمود صاحب کے بقول دعا کیجئے اور کیا کر سکتے ہیں !!

"آپ کا مقالہ افتتاحیہ دیکھا دل تڑپ گیا۔ میں بھی اسی ادھیڑ بن میں پڑا ہوں ۔ ساڑھے پانچ کروڑ (چار کو رو میں پانچ لکھ گئے ہیں!) مسلمانوں کا خدا ہی حافظ ہے۔ ہم غریب بھی چلاتے تھے مگر ہم لوگ ٹرسٹیز تھے۔ ابھی ہم کو بہت کچھ دیکھنا ہے۔ خدا سے دعا کر سکتا ہوں اور کیا ہو سکتا ہے"

معارف

"میں جب لاہور سے تعلیم پاکر نکلا تو سب سے پہلے ریاست بہاولپور میں بہ عہدہ پروفیسر السنہ شرقیہ ایجرٹن کالج مقرر ہوا تین ساڑھے تین برس کی ملازمت کے بعد اتفاقاً جنرل عظیم خاں مرحوم وزیر ریاست رامپور سے ملاقات ہوئی انھوں نے مجبور کیا کہ میں ہائی اسکول رام پور میں ہیڈ مولوی کا عہدہ منظور کردں۔ وزیر مرحوم کے دل میں میری نسبت جو خیالات تھے وہ بعد چھ مہینے کے مرحوم کے واقعۂ قتل سے خاک میں مل گئے۔ میں نے فوراً ملازمت کو ترک کر دیا اور ارادہ کرلیا کہ آئندہ ملازمت نہ کروں گا۔ میں نے اس کے بعد وطن میں مطب کرنا شروع کیا۔ کیونکہ اس سے پیشتر میں ڈاکٹری اور یونانی طب کی تحصیل کر چکا تھا۔ پانچ چھ برس مطب پر گذر گئے اور میں نہایت کامیابی سے اس کام میں مشغول تھا۔ کہ یکایک سرسید مرحوم نے تار دے کر ملاقات کے لئے بلایا۔ میں اس کا مطلب کچھ نہ سمجھا۔ مگر فوراً مولانا حالی کے ساتھ علی گڈھ کو روانہ ہو گیا۔ سرسید مرحوم نے ایک مہینہ کے قریب ٹھہرایا۔ پھر مولانا حالی کو بیچ میں ڈال کر مجھے چاہا کہ میں یہیں قیام کردں۔ میں نے عرض کیا کہ میں ملازمت سے توبہ کر چکا ہوں۔

فرمایا کہ ملازمت کیسی، میں تو چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ شریک رنج و راحت بن کر رہو۔ اور اگر تم پہلے مرجاؤ تو میں اپنے ہاتھ سے تم کو دفن کردوں۔ اور اگر میں تم سے پہلے مرجاؤں تو تم اپنے ہاتھ سے مجھے مٹی دو۔ غرضکہ میں ان کی مصاحبت اور رفاقت میں رہنے پر مجبور ہوگیا اور آخر مرحوم کے دم واپسیں تک نباہ دی۔ میں ان عنایتوں اور مہربانیوں کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ جو مرحوم نے میرے حال پر مبذول فرمائیں مرحوم کے بعد میں نے وطن جانے کا ارادہ کیا تو حاجی صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ اب وہاں جاکر کیا کروگے! میں نے کہا یہی علمی شغل، اور اس کے سوا کر ہی کیا سکتا ہوں۔ انھوں نے کہا جو کام تم وہاں کروگے علی گڑھ ہی میں کیوں نہ کرو۔ اس کام کے لیے اس سے بہتر مقام نہیں ہوسکتا میں تمہارا شریک نفع نقصان ہوتا ہوں۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ بند ہوچکا ہے، اگر کوئی صورت تم نکالو تو میں بھی اس میں مدد دے سکتا ہوں اور میں بھی سوائے اس لکھنے پڑھنے کے مشغلہ کے اور کچھ نہیں کرسکتا۔ کیا اچھا ہو کہ میری طبیعت بھی بہلے اور تم بھی اپنے مشغلے میں کامیاب ہو چونکہ یہ صورت ملازمت کی نہ تھی میں نے اس کو قبول کرلیا۔"

(مکتوب وحیدالدین سلیم بنام نواب سید علی حسن خاں ۴ اپریل ۱۸۹۹ء۔ اقتباس۔ نقوش مکاتیب نمبر ص ۴۶۹)

یہ ہے ماہنامہ 'معارف' کی شان نزول جسے جولائی ۱۸۹۸ء سے حاجی اسماعیل خاں اور وحیدالدین سلیم، دو تین سال تک علی گڑھ سے نکالتے رہے۔ اسی عہد کے ایک صحافی مقتدیٰ خاں شروانی کا کہنا ہے کہ پہلے پرچے میں اور پھر اس کے بعد بھی زیادہ تر مضامین اسماعیل خاں

اور سلیم ہی کے ہوتے تھے اور اکثر خود لکھ کر دوسروں کا نام ڈال دیتے تھے۔

٣٢ صفحات پر مشتمل رسالہ کی قیمت ۵ آنے تھی اور سالانہ ۔ ۴/ روپے۔ شروع میں مفید عام، آگرہ میں چھپتا تھا، پھر علی گڈھ میں، اور آخر میں دہلی میں۔ معارف علی گڈھ سے یکم جولائی کو نکلا۔ اور یکم اکتوبر ١٩٠٠ء کا پرچہ علی گڈھ کا آخری پرچہ تھا، اس کے بعد نومبر سے دفتر پانی پت منتقل ہو گیا۔ ہوا یہ کہ جنوری ١٩٠٠ء کے معارف میں حاجی اسمعیل خاں نے 'ہلال اور نارا' کے عنوان سے ترکوں اور ترکی سلطان کے خلاف ایک تفصیلی مضمون لکھا۔ عام مسلمانوں میں اس سے بڑی بے چینی پھیلی، اور محترم مقتدی خاں شروانی کے بقول خود معارف کی اشاعت پر اس کا اثر ہوا۔ خریدار ایک دم سے کم ہو گئے۔ مولانا سلیم اس سلسلے میں غالباً حاجی صاحب کے ہم خیال نہ تھے۔ یہی وجہ غالباً حاجی صاحب کی علیحدگی کی بھی ہوئی۔ جون ١٩٠٠ء سے وہ اس پرچے سے بالکل بے تعلق ہو گئے اور نومبر ١٩٠٠ء سے معارف علی گڈھ سے پانی پت آ گیا۔

اس دو ڈھائی سال کے عرصے میں معارف میں صرف ١٣ نظمیں شائع ہوئیں۔ ایک ناول "جنت شداد" جو غالباً ترجمہ تھا، قسط وار ٦ ماہ میں مکمل ہوا۔ بقیہ رسالے میں، فلسفہ، ادب، مذہب، علم السیاست وغیرہ پر مضامین ہوتے تھے، لکھنے والے مندرجہ ذیل میں سے کچھ نہ کچھ ہر مرتبہ ہوتے تھے:

رشید احمد سالم، عبدالعلی خاں، ذکا، اللہ، شاد، شیخ عبداللہ، غلام الثقلین شبلی، حالی، عبدالرزاق کانپوری، سجاد حیدر، اکبر، حبیب الرحمن شروانی، نذیر احمد، موسیٰ خاں اور خود دونوں ایڈیٹر۔

مضامین میں حالی کا ریویو نظم 'دلفروز' پر، حبیب الرحمن خاں شروانی

کا تبصرہ "الفاروق" پر، حالی کا "ضمیمہ حیات جاوید" اور ایک مضمون ترکی ادیب اور شاعر نامق کمال پر قابل ذکر ہیں۔ حالی کا (ضمیمہ) سرسید کی تفسیر پر ہے اور بڑا تفصیلی مضمون ہے۔ نظموں میں اکبر الہ آبادی کی "روانی آب" (جو پانی کی روانی کے نام سے مشہور ہوئی) جو سودے کی انگریزی نظم کا ترجمہ ہے اس لئے قابل ذکر ہے کہ پہلی مرتبہ "معارف" ہی میں شائع ہوئی اور بعد کی کلیات اکبر کی بعض ترتیبوں میں موجود نہیں ہے۔

دوسری جلد کے ایک نمبر میں رسالے کے بارے میں اس زمانے کے مشاہیر کی رائیں چھاپی گئی ہیں، ان میں اکبر الہ آبادی اور مولوی نذیر احمد کی تحریریں بڑی دل چسپ ہیں اور اس قابل ہیں کہ انھیں دوبارہ درج کیا جائے اکبر نے لکھا ہے:

"رسالہ معارف" نہایت عمدہ رسالہ ہے۔ اس میں سائنٹفک اور تاریخی مضامین بڑے بڑے لائق بزرگوں کے نکلتے ہیں میں دل سے اس رسالے کی ترقی چاہتا ہوں جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی علمی ترقی چاہتا ہوں۔ اس طرح کا کوئی رسالہ اس وقت اپر انڈیا میں نہیں نکلتا، کم سے کم میری نظر سے نہیں گزرا۔ رسالہ معارف، رکاکت اور بے تہذیبی سے بالکل خالی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جاری کرنے والے کی سچے دل سے یہ خواہش ہے کہ ملک کو فائدہ پہنچے۔ بجائے "معارف" کے اس کا نام "آفتاب علم" زیادہ اچھا ہوتا کیونکہ اس میں حضرات شمس العلماء کے مضامین اکثر ہوتے ہیں:

اور نذیر احمد نے تین چار سطریں لکھنے کے بعد لکھا ہے:

بہت خوش ہوا دیکھ کر دل معارف
کثیر الفوائد ؛ قلیل المصارف
نہ پاؤ گے اردو میں کوئی رسالہ
کہ جو ہو سکے اس کے پڑھنے سے عارف
اسے دیکھو گر جاننے ہوں حقائق
پڑھو اس کو گر تم کو بننا ہو عارف
کہ نایاب موتی ہیں اس کے مضامیں
وگرنہ بہت چل پڑے ہیں زخارف

نقوش کے مکاتیب نمبر میں سلیم کے سلسلے میں عبداللہ قریشی نے لکھا ہے کہ ۱۹۰۰ء کے بعد معارف بند ہو گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے، ۱۹۰۰ء کے بعد صرف مقام اشاعت بدل گیا تھا۔ علی گڑھ سے پانی پت جہاں کم سے کم ایک سال اور چلا۔ محمد بشیر الحق دسنوی مرحوم لکھتے ہیں،
"رسالہ معارف کی چار جلدیں اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور کے الاصلاح لائبریری دسنہ سیکشن میں محفوظ ہیں۔

جلد ۱ ۔ من ابتدائے جولائی ۱۸۹۸ء لغایت جون ۱۸۹۹ء
اس جلد کے اگست ۱۸۹۸ء اور اپریل ۱۸۹۹ء کے پرچے یعنی نمبر ۲ اور نمبر ۱۰ فائل میں نہیں ہیں۔

جلد ۲ ۔ من ابتدائے جولائی ۱۸۹۹ء لغایت جون ۱۹۰۰ء
جلد نمبر ۳ ۔ من ابتدائے جولائی ۱۹۰۰ء لغایت دسمبر ۱۹۰۰ء
جلد نمبر ۴ ۔ من ابتدائے جنوری ۱۹۰۱ء لغایت دسمبر ۱۹۰۱ء
چوتھی جلد کی تکمیل کے بعد رسالے کی اشاعت بند ہو گئی۔

جلد اوّل کے بارہ پرچے اور جلد دوم کا پہلا نمبر قادر علی خاں صاحب صوفی کے مطبع مفید عام آگرہ میں چھپے۔ بقیہ پرچے مطبع فیض عام علیگڑھ فاروقی پریس دہلی، اور مفید عام پریس پانی پت میں طبع ہوئے ہیں۔
ہر جلد کے مضامین کی فہرست درج ذیل ہے۔ اس فہرست میں صرف ایسے مضامین لیے گئے ہیں جو اہم ہیں۔ بقیہ مضامین، ایڈیٹر کے نوٹ، اور کتابوں پر ریویو، جن کی کوئی اہمیت نہیں ہے نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔

جلد اوّل:-

(۱) بلنسیہ — مولوی وحید الدین سلیم

(۲) ابن جبیر اور اس کا سفرنامہ (۱)، (۲)، (۳) — ؍؍ ؍؍ ؍؍

(۳) آب و ہوا کا اثر اخلاق و معاشرت پر۔ — مولوی رشید احمد سالم

(۴) تکوین ارض بموجب طبقات الارض کے — حاجی محمد اسمٰعیل خاں

(۵) مصر کا قدیم خط — مولوی رشید احمد سالم

(۶) مادیت اور مذہب — جے۔ ایف سجاد

(۷) وقت ہی ایک دولت ہے۔ نواب محسن الملک۔ مولوی سید مہدی علی خاں

(۸) مادہ اور صورت۔ — مولوی سید کرامت حسین بیرسٹر ایٹ لا

(۹) طوفانِ نوح کا آغاز کیونکر ہوا؟ — مولوی عبدالحق

(۱۰) آثار العجم: ایوان کسریٰ؛ طاقِ بستان؛ طاقِ بیستون (مولوی محمد عبد الرزاق مصنف البرامکہ)۔ (۱۱) کیا کنعان حضرت نوحؑ کا سگا بیٹا تھا (مولوی محمد عبد الحق) (۱۲) کیا زوجۂ نوحؑ طوفان میں غرق ہوئی تھی (مولوی عبد الحق) (۱۳) مرثیۂ جدید نظم (خان بہادر سید علی محمد شاد) (۱۴) حالاتِ سسلی (مولوی محمد مرتضیٰ)

جلد دوم :-

(۱) معجزات ہم کیوں مانیں (شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ) (۲) سوفسطائی علما اور ان کا فلسفہ (خواجہ غلام الثقلین) (۳) احکام اسلام کی پابندی اور اس کا اثر عمر و صحت پر (مولوی محمد حبیب الرحمٰن شروانی) (۴) وراثتِ طبعی۔ وراثت کا اثر جسمانی اور دماغی قوتوں پر۔ وہ اسباب جو وراثت کے برخلاف عمل کرتے ہیں۔ وہ تدبیریں جن سے عمدہ اولاد پیدا ہو سکتی ہے۔ (مولوی رشید احمد سالم)

مضمون	مصنف
(۵) بصرہ منصور عباسی کے عہد حکومت میں	مولوی رشید احمد سالم
(۶) مذہب و علم	مولوی خواجہ غلام الثقلین بی اے ایل ایل-بی
(۷) فلسفہ تاریخ پر ایک سرسری نظر	مولوی وحید الدین سلیم
(۸) علامہ ابو الفرج اصفہانی	مولوی رشید احمد سالم
(۹) کیا دل کی کشش اور مادہ کی کشش دونوں ایک ہیں؟	مولوی عبد العلی خاں
(۱۰) چین اور چینی	حاجی عبد الرشید خاں
(۱۱) آثار العجم (۴) تخت جمشید	مولوی عبد الرزاق
(۵) بقیہ تخت جمشید	مصنف البرامکہ
(۱۲) ہماری زمین اور تمام ستارے کیونکر پیدا ہوئے؟	ایک لبرل مسلمان
(۱۳) حالات سسلی نمبر ۴ لغایت ۱۳	مولوی محمد مرتضیٰ صاحب

جلد سوم :-

مضمون	مصنف
(۱) دریا کا آغاز و انجام (نظم)	ع - ح
(۲) تصوف یا مسلمانوں کا روحانی فلسفہ	علی حسن خاں
(۳) طبیعات اور اہل اسلام موسیو سیدیو فرانسیسی کی کتاب تاریخ عرب سے	ع - ح
(۴) مسلمانوں کے تنزل اور ادبار کا اصلی سبب	نذیر احمد

(۵) شمع ہستی (نظم) ایم۔ آئی۔
(۶) حامیان ہندی اردو کا مغالطہ۔ ایک لبرل مسلمان
(۷) ابن رومیہ مولوی عبدالعلی خاں

جلد چہارم

(۱) ابراہیم موصلی مولوی عبدالعلی خاں
(۲) ابوتمام طائی "
(۳) موسیقی اور اسلام "
(۴) فن مصوری کی تاریخ "
(۵) چین کے مسلمان مولوی محمد عزیزالرحمٰن عزیز بہاول پور
(۶) ابوالف محمد عبدالعلی خاں
(۷) قرون اولیٰ کی حق گوئی اور حق پسندی مولانا خواجہ الطاف حسین حالی
(۸) ارطاۃ بن سہیہ مولوی عبدالعلی خاں
(۹) ابوسعید ابوالخیر "
(۱۰) طاہر کا خط عبدالدین طاہر کے نام۔ مولوی محمد عزیزالرحمٰن عزیز
(۱۱) نہلسٹ اور انارکسٹ (۱)، (۲) ایک لبرل مسلمان
(۱۲) مسئلہ جہاد پر ایک فرانسیسی عالم کا مضمون (۱)، (۲) مولوی عبدالعلی خاں
(۱۳) ابودُلامہ اور اس کے لطیفے۔ مولوی محمد عزیزالرحمٰن عزیز
(۱۴) کلیات دلمیر مولانا خواجہ الطاف حسین حالی"

معلومات

لکھنؤ کا یہ ماہ نامہ جو غالباً جولائی ۱۹۱۴ء سے نکلنا شروع ہوا، اس کے مالک اور ایڈیٹر دالی سنتھے، اور لکھنے والے چودھری محمد علی، شرر، بمبوق، فیروز الدین مراد اور خود، بلکہ زیادہ تر ایڈیٹر۔ ایڈیٹر کے ناول "جمیلہ کی ناکامیابی" کی حسرت نے بے حد تعریف کی ہے جنوری تا جون ۱۹۱۵ء کے شمارے ہمارے پیش نظر ہیں۔

باب "الہ بہا" پر شرر کا طویل مضمون غالباً جنوری ۱۵ء سے پہلے سے چل رہا ہے، اسی ذیل میں اپریل مئی نمبر میں قرۃ العین والاشہور مضمون نکلا۔

مارچ ۱۹۱۵ء کے نمبر میں "نئے اخبارات و رسائل" کے عنوان سے حسرت کے سہ ماہی "تذکرۃ الشعراء" کا ذکر ہے اور پھر علی گڈھ کے "المیزان" کا:-

"یہ ایک اخبار ہے جو علی گڈھ سے جاری ہوا ہے ہر ہفتہ میں دو بار نکلتا ہے کہا جاتا ہے کہ جو زہر ہمدرد نے مسلمانوں میں پھیلایا ہے اس کے واسطے یہ تریاق ہے۔ یہ دیکھ کر کہ مسلمان گمراہ ہوئے جاتے ہیں، المیزان وجود میں آیا اور فوراً اپنا کام شروع کر دیا، یعنی مظہر الحق سے اسّی ہزار روپے اگلوا لئے۔ اگر اس سے ذرا بھی چوک ہو جاتی تو روپے ہضم ہی ہو گئے تھے۔

"پرچہ ہمارے خیال میں بہت دل چسپ ہوتا ہے، ایک چیز کی کمی ہے،

اس میں نظر آتی ہے اور یہ وہ کمی ہے جو اس کے مدمقابل ہمدرد میں بھی ہے یعنی بردباری .... اردو میں دو پرچے ہیں جن سے ہر نیا پرچہ سبق حاصل کر سکتا ہے۔ ہمارا اشارہ عصر جدید اور کیل کی طرف ہے مختصر یہ ہے کہ المیزان کی پالیٹکس سے ہم کو گو اختلاف ہے لیکن ہم اس کو ایک عمدہ پرچہ سمجھتے ہیں"

چودھری محمد علی رودولوی کا خط ـــ فروری یا جنوری کے شمارے میں "اکبر کا کلام" کے عنوان سے چودھری محمد علی نے اکبر کی زبان سے جو شعر سنے وہ نقل کیے ہیں اور اس سے پہلے ایک خط لکھا ہے "مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب

"کرسمس کی تعطیل میں کرایہ نصف ہوتا ہے سفر آسان معلوم ہوتا ہے حضرت بھبوتی اور ایک تحصیلدار کی معیت سے (۹) الہ آباد گیا۔ گو کہ موجودہ اطمینان نہ تھا مگر بقول ملا جیون کے اس قدر سستا کرایہ کہاں ملجاتا بہرحال الہ آباد پہنچا۔ امرود تو کھائے مگر اکبر حسین صاحب کی زیارت کے بغیر حج الہ آباد کیونکر پورا ہوتا۔ عدیم الفرصت تھے، آلام و مصائب جسمانی و روحانی بھی لاحق تھے مگر پرانے اخلاق کے حامی نے گوارا نہ کیا کہ مشتاقانِ زیارت محروم جائیں باہر تشریف لائے اور بہت دیر تک اخلاق فرماتے رہے۔ دبی زبان سے عرض کیا گیا کہ اگر کچھ اپنی زبان سے ارشاد فرمائیے تو باعث ناز ہو۔ یہ زحمت بھی جناب محتشم الیہ نے قبول کی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے وقت میں ہم لوگ معلومات کو کیونکر بھول سکتے تھے جسارت کر کے اجازت لی اور جو کچھ معلومات کی قسمت کا تھا وہ ہاتھ آیا۔ بہت سے اشعار قلمبند نہ ہو سکے ان کو تحویلِ حافظہ میں رکھنے کی کوشش کی لیکن ؎

گر زمیں را نہ آسماں دوزی نہ دہندت زیادہ از روزی"

اس کے بعد اکبر کے بہت سے شعر نقل کیے ہیں۔

رشید صاحب کے مرتبہ سہ ماہی سہیل کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۲۶ء
میں شائع ہوا۔ اس کے اغراض و مقاصد حسب ذیل تھے۔

۱۔ جہاں تک اردو کی خدمت کا تعلق ہے، علی گڑھ کے مشاہیر اردو
کی روایات قائم رکھنا اور انھیں رواج دینا۔

۲۔ حتی الوسع ایسے مضامین فراہم کرنا جو سنجیدہ دلچسپی کے موجب
ہوں اور عام طور سے مفید ہوں۔

۳۔ اردو کو مقبول بنانے کے لئے معقول اور ممکن ذرائع و وسائل
کا اختیار کرنا۔

۴۔ سہیل کو ہر شاعر یا نثر نگار کی تالیف قلوب کا ذریعہ نہ بنانا۔"

رسالہ کی شان ورود رشید صاحب کی زبانی سنیئے:۔

" پچھلے سال انجمن (اردوئے معلی) کا احیاء یونیورسٹی میں ہوا تو ساتھ
ہی ساتھ ایک رسالہ نکالنے کی بھی تجویز پیش ہوئی .... خیال ہوا کہ رسالہ
کا نام اردوئے معلی رکھا جائے لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ اس نام کا ایک
رسالہ دہلی سے نکل رہا ہے اور دوسرا خود مولانا حسرت موہانی کانپور سے

شائع فرمارہے ہیں ۔۔۔۔ ایک زمانے میں راقم الحروف اور (یادش بخیر) ذاکر حسین خاں صاحب بی۔اے (علیگ) کالج میں ساتھ رہتے تھے اور حسنِ اتفاق سے جس روز ایسا کھانا مل جاتا کہ جسے کالج ڈائننگ ہال کی ہوا تک نہ لگی ہوتی ہم دن کا دن اور رات کا بیشتر حصہ ایک بہترین اردو رسالہ نکالنے کی اسکیم مرتب کرنے میں صرف کر دیتے تھے۔ لیکن یہ تمام منصوبے اس چٹان سے ٹکرا کر فنا ہو جاتے کہ رسالہ کا نام کیا ہوگا؟ ذاکر صاحب نے تو آخر طے کر لیا تھا کہ ہم نام کی جگہ خالی چھوڑ دیں گے لیکن رسالہ ضرور نکالیں گے افسوس یہ جدت بھی بروئے کار نہ آسکی ۲۳-۱۹۲۲ء میں ذاکر صاحب نے ہندوستان کی سرزمین کو خیرباد کہا۔ اس وقت تک صرف دو نام تجویز کئے جا سکے تھے ایک شمع اور دوسرا سہیل۔ شمع تو ایک صاحب نے اڑا لیا۔ اب صرف سہیل باقی رہ گیا تھا" شاید ذاکر صاحب اور رشید صاحب کے مشترکہ دوست اقبال احمد خاں سہیل کے نام پر یہ نام اختیار کیا گیا۔

اداریہ کے علاوہ اس نمبر میں مندرجہ ذیل تحریریں شامل تھیں:۔

"اردو رسم خط اور اردو کی اشاعت" از سید طفیل احمد

"فارسی شاعری اور اس کی قدامت" " محمود خاں شیرانی

"داستان اردو" " نصیر حسین خیال

"عہد مغلیہ میں ہندی یا زبان کی سرپرستی" سید معین الدین [illegible] انپوری

"پیام اقبال" رشید احمد صدیقی

— اقبال کی ایک عکسی غزل

بر دلِ زیں گنبدِ در بستہ پیدا کردہ ام رہے

لہ پروفیسر محمد حبیب کا ماہنامہ جو آگرہ سے شائع ہوتا تھا۔

اردو کی ترقی کے سلسلے میں ایک گشتی مراسلے کے جواب میں عبدالحق، سلیمان ندوی، رفقائے دارالمصنفین، اور اصغر گونڈوی کے تفصیلی خطوط۔
— عبدالماجد دریا بادی کا ایک پیغام۔ اور اس کے علاوہ
— اقبال کی ایک تصویر اور چغتائی کی تین تصویریں۔
نفیس آرٹ پیپر پر چھپا ہوا یہ پرچہ ۱۶۲ صفحات پر مشتمل تھا اور ایک کاپی کی قیمت دو روپے تھی۔

دوسرے شمارے میں (اپریل ۲۶ء) شذرات میں اردو ہندی مسئلے، مسلم اردو پریس کانفرنس، ایجوکیشنل کانفرنس کی بے حسی اور کام کے لئے کچھ تجاویز اور انیسویں صدی کے نصف آخر کی ہندوستانی اسلام کی تاریخ نگاری کی تجویز، اہم مسائل تھے۔ "علوم اسلامیہ" کے عنوان کے تحت اسلامک اسٹڈیز کا شعبہ قائم کرنے کے منصوبے کے سلسلے میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں اور علامہ اقبال کے دو مبسوط مضامین اور پھر اسلامی علم الانساب پر اقبال کا ایک مکتوب ہے (اقبال کا مضمون بھی اصل میں خط ہے۔) "فارسی شاعری کی قدرت" اور "پیام اقبال" کی دوسری قسطیں ہیں۔ "ہندوستان کے مسئلے اور اردو صحائف" کے عنوان سے ۱۳۱ ہمعصر اخبار و رسائل کی فہرست ہے، چغتائی کی دو تصویریں ہیں "شالامار" پر عبداللہ چغتائی کا تاریخی مضمون ہے۔ سید محی الدین قادری زور بی اے کا مضمون "اردو کے اسالیب و بیان" ہے۔ اور احسن مارہروی کے تبصرے ہیں۔ "نقد متروکات" (قافیہ ترکیبی) اور "قریہ ویران" (گولڈ اسمتھ کی نظم کا ترجمہ) ہے۔ آخر میں اسلم جیراجپوری اور سید عابد حسین کے مرتبہ ماہوار "جامعہ" کا اشتہار ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ علاوہ علمی مضامین کے کم سے کم ایک افسانہ اور منتخب نظمیں چھپتی ہیں۔

ستمبر نمبر، شمارہ ۳ ، میں شذرات میں ہندوستانی اکیڈمی کا تفصیلی ذکر ہے۔ سید حسین بلگرامی اور چکبست کی تعزیت ہے۔ مسلم یونیورسٹی میں مسلمانوں کو نوکریوں سے بچانے کے لئے زراعتی اور ٹیکنیکل تعلیم پر زور دینے کی تجویز ہے اور فرنچ، جرمن اور ترکی زبانوں کی تعلیم کا انتظام کئے جانے کا مشورہ دیا گیا ہے۔

دوسری تحریریں یہ ہیں۔

"اردو بطور ایک مذہبی زبان کے" (سید طفیل احمد)

"امیو لی ایڈفی" ۔۔۔ روسی افسانہ کا ترجمہ (خواجہ منظور حسین)

"یک نظر راجع بہ تعلیماتِ اسلامیہ در علی گڑھ یونی ورسٹی"
(سید محمد ہادی مچھلی شہری)

"قاصد سحاب یا دہاکوی کالیداس کی بے نظیر عشقیہ نظم میگھ دوت پر چند خیالات" (بابو گجیت سرنداس)

"اردو کے اسالیب بیان" دوسری قسط
(محی الدین قادری زور بی۔ اے)

"اردو شعر و شاعری پر ایک نظر" (رشید احمد صدیقی)

چوتھے شمارہ میں (دسمبر ۲۲ء) ہندوستانی اکیڈمی کی تشکیل کی خبر تھی۔ (۲۳ء جنوری ۲۷ء)، گورکھپور کے سبحان اللہ کتاب خانے کا علی گڑھ کو عطیہ کا ذکر تھا۔ چکبست، عماد الملک اور شرر کی وفیات تھیں اور مندرجہ ذیل مضامین تھے:

"خطبۂ صدارت اردو کانفرنس دہلی" از مولوی نور الحسن نیّر
"سنجر و غزالی" (ترکی سے ترجمہ) " سجاد حیدر یلدرم

"مثنوی بوستانِ خیال" (سراج اورنگ آبادی کی مکمل مثنوی)
از احسن مارہروی

"نسب رفاعنہ" " مولوی نور بخش

" اصغر کی شاعری" " رگھو نندن پرشاد
(ترجمہ ہادی حسن)

—— "اردو کی ترقی میں ہندوؤں کا حصہ" پر دو مکتوب
از عبدالماجد دریا بادی

—— اقبال کی ایک نظم "شکست سومنات" اور

—— تبصروں میں ایک اقبال کلنڈر کا ذکر، جس میں ہر مہینہ پر اقبال کا مناسب شعر تھا۔

پانچویں شمارہ میں :-

"اردو کی ترقی میں ہندوؤں کا حصہ" (انعامی مضمون) از عبدالشکور

"نغمۂ حقیقت" (گیتا پر طویل نظم) از فراق گورکھپوری

"قدیم قندھار (۲)" از نور بخش

"اسلام بزبان ندارد" (حبل المتین سے ترجمہ)

"سنہ ہجری و شمسی" از ابوبکر محمد شلیث فاروقی

"تاریخ گوئی کی ایجاد و ترقی" از سید ضامن علی ترمذی

"ترتیب کتب خانہ و تقسیم علوم" (لائبریری سائنس پر مبسوط و مکمل مضمون)
از سید کاظم حسین

ان کے علاوہ

—— شذرات میں حفظ العلوم کے نام سے ایک مجوزہ اردو انسائیکلوپیڈیا

اس سلسلہ کا آخری یعنی چھٹا شمارہ مجھے نہیں مل سکا۔

جنوری ۳۲ء میں یہ سالنامہ کی صورت میں دوبارہ نکلا مگر سالنامہ کا یہ پہلا شمارہ آخری بھی ثابت ہوا۔ رشید صاحب اور سرور صاحب نے اسے ترتیب دیا تھا اس میں خسرو دکن کے چانسلر ہونے کی اطلاع تھی۔ سیدین صاحب کی دو کتابوں اصول تعلیم اور شہیدانِ وفا کا خونبہا کیا پر سرور صاحب کا تبصرہ تھا "یادِ رفتگاں" میں عزیز لکھنوی، ریاض، نظم، خیال، آغا حشر اور مولوی ممتاز حسین (علی) پر شذرے تھے اور مندرجہ ذیل تحریریں شامل تھیں:

مصوری کے میلانات نو (ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی) جبریل مشرق: بال جبریل پر تبصرہ (آل احمد سرور) اناتول فرانس کا فلسفہ زندگی (اشفاق حسین) دیوانے: ڈراما (علی سردار جعفری حزیں) تعلیم اور اسلامی معاشرت (خواجہ غلام السیدین) اردو اور اسکے بعض تحقیقی ماخذ: (ابواللیث صدیقی) مضطر خیرآبادی (جاں نثار اختر) بہار اور اردو شاعری (معین الدین دردائی) دردا اور (سلطان حیدر جوش) روزنہ: ڈراما (سجاد انصاری) حافظ کے کلام میں کلام (ڈاکٹر عبدالستار صدیقی) ادب: ہندی ادب کے منصوبے (ڈاکٹر اشرف) کوڈ (رشید احمد صدیقی)۔